قد افلح من تزکی و ذکر اسم ربہ فصلی (القرآن الکریم)

وہ فلاح پا گیا جس نے تزکیہ کر لیا اور اپنے رب کے نام کا ذکر کیا پھر نماز کا پابند ہو گیا

المجاهد من جاهد نفسه (حدیث شریف)

مجاہد وہ ہے جو اپنے نفس کے خلاف جہاد کرے

# ماہنامہ المرشد چکوال

بیادِ

شیخ العرب والعجم صدیق دوراں مجدد طریقت مجتہد فی التصوف بحر علوم شریعت

امام اولیاء شیخ سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ حضرت العلام قلزم فیوض برکات

اللہ یار خان رحمۃ اللہ علیہ

دار العرفان منارہ ضلع چکوال

# المرشد

دارالعرفان - منارہ ، ضلع چکوال

جلد ۹ | ربیع الاول ۱۴۰۸ھ بمطابق نومبر ۱۹۸۷ء | شمارہ ۳


## اس شمارہ میں


- ادارِیہ ـــــ مُدیر ـــــ ۲
- باتیں اُن کی خوشبو خوشبو ـــــ ۶
  ـــــ ارشادات : حضرت مولانا اللہ یار خان رح
- اسرارالتنزیل ـــــ ۷
  ـــــ حضرت مولانا محمد اکرم مدظلہ العالی
- بادلوں کے درمیان ـــــ ۲۰
  { حضرت المکرم کا دورۂ تبلیغ برائے شمالی علاقہ جات }
- قافلے دل کے چلے ( آخری قسط ) ـــــ ۴۳
  ـــــ نسیم ملک
- اسلام عورت سے کیا چاہتا ہے ! ـــــ ۴۹
  ـــــ ( تصویر کا دوسرا رُخ )
  ـــــ حافظ عبدالرزاق



بیاد

حضرت العلام مولانا

**اللہ یار خان** رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

ـــــ سرپرست ـــــ

حضرت مولانا محمد اکرم اعوان مدظلہ

ـــــ مدیرِ مسئول ـــــ

پروفیسر حافظ عبدالرزاق

(ایم اے اسلامیات ، ایم اے عربی)

ـــــ مدیرانِ اعزازی ـــــ

ابوطلحہ

ملک عبدالغفار

ـــــ بدل اشتراک ـــــ

چندہ سالانہ ـــــ ۷۵ روپے

ششماہی ـــــ ۴۰ روپے

فی پرچہ ـــــ ۷ روپے

ـــــ سول ایجنٹ ـــــ

اویسیہ کتب خانہ

الوہاب مارکیٹ - اردو بازار لاہور

خطاطی : سعید احمد ، ٹاؤن شپ لاہور

طابع وناشر : حافظ عبدالرزاق ● مطبوعہ : شرکت پرنٹنگ پریس لاہور ● مقام اشاعت : دارالعرفان منارہ ، ضلع چکوال

اداریہ

# میلادُ النبی ﷺ

کہتے ہیں مُشک اور عشق چھپائے چُھپتے نہیں گویا یہ اختیاری نہیں اور جہاں بس نہ چلے آدمی کو معذور سمجھا جاتا ہے مگر جب غیر اختیاری اقدام کو اختیاری اور ارادی رنگ دیا جائے تو وہ تصنّع ہے بناوٹ ہے بہروپ ہے اداکاری ہے اور بس پھر اس اختیاری اور ڈرامائی انداز کو حقیقی اور غیر اختیاری سمجھ لیا جائے یا منوانے کی کوشش کی جائے تو یہ حماقت بھی ہے اور فریب بھی۔

ایک مسلمان کو نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم کے ساتھ جو تعلق ہے وہ جذباتی بھی ہے اور عقلی بھی۔ اعتقادی بھی ہے اور جذبۂ احسان شناسی کا تقاضا بھی۔ ایک مسلمان کے لیے حضورِ اکرم ﷺ ہادی بھی ہیں اور مقتدا بھی۔ فکر و عمل کی دنیا میں قابلِ تقلید مثالی شخصیت بھی مگر ان سب سے بڑھ کر ایک حیثیت ہے اور وہ یہ کہ آپ محبوب بھی ہیں جیسا کہ ایک مثالی مسلمان کے اس تعلق کو ظاہر کرنے کے لیے ترجمانِ حقیقت نے کہا تھا ـــ

پروانے کو چراغ تو بُلبل کو پھول بس
صدیق رضؓ کے لیے ہے خدا کا رسول ﷺ بس

لیکن محبت کا بھی سلیقہ ہوتا ہے اور کچھ تقاضے ہوتے ہیں۔ اور ان سب کا مرکز محبوب کی پسند ہوتی ہے جہاں محبت حقیقی ہو وہاں سوچ اور عمل کا مرکز اور محور بھی محبوب کی پسند ہوتی ہے اور جہاں تصنّع اور بناوٹ ہو وہاں محبوب کی پسند کو کوئی

نہیں پوچھتا۔ محبت کا دعویٰ کرنے کی پسند ہی تمام توجہات کا مرکز بن جاتی ہے۔
یوں تو ہر مسلمان محبتِ رسولؐ ہونے کا دعویٰ کرتا ہے اور بات دعویٰ کی نہیں۔ بلکہ فی الواقعہ محبت ہونا ضروری ہے۔ اقبال کے مداح اور نقاد جب اس کی مختلف حیثیتوں پر اظہارِ خیالات کرتے ہیں تو ایک عنوان یعنی "اقبال اور عشقِ رسول" بڑے اہتمام سے زیرِ بحث لاتے ہیں۔ اور بات کہنے والوں کی نہیں اقبال خود بھی اس کا مدعی ہے کہتا ہے ؎

بگوئے تو گدازِ یک نفس بس
مرا ایں ابتدا ایں انتہا بس
خراب جراتِ آں رندِ پاکم
خدارا گفت مارا مصطفیٰؐ بس

لیکن اس عاشقِ رسولؐ کی محبت کا ڈھنگ عجیب ہے۔ کہتا ہے ؎

چوں بنامِ مصطفیٰؐ خوانم درود
از خجالت آب می گردد وجود

یعنی جب میں حضورِ اکرمؐ کی خدمت میں درود شریف کے وِرد کا تحفہ پیش کرتا ہوں تو شرم سے پانی پانی ہو جاتا ہوں۔

کیوں ؟

؎ عشق می گوید کہ اے محکومِ غیر
سینۂ تو از بتاں مانندِ دیر

یعنی محبتِ رسولؐ کا جذبہ یہ کہتا ہے کہ اے ہر دروازے پر جبیں رکھنے والے والے اپنے اندر کی خبر لے۔ تیرا سینہ تو ایک بت کدہ بنا ہوا ہے۔ اور تو ہر بت کا پجاری ہے۔ خواہشات کے بت، رسم و رواج کے بت، فیشن پرستی اور حبِ جاہ کے بت بلکہ اتنے بت کہ ان کا شمار نہیں کیا جا سکتا۔ پجاری تو تو ان بتوں کا ہے اور زبان سے درود پڑھ رہا ہے !

پھر ؟

؎ گر نداری از محمدؐ رنگ و بو
از درود خود میالا نام او

یعنی جب تیری سوچ پر، تیری عملی زندگی پر، تیری پسند و ناپسند کے معیار پر۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پسند کا ٹھپہ کہیں نظر نہیں آتا۔ تو اس منافقت کی زبان سے حضورِ اکرمؐ کے نام کو آلودہ مت کر۔

یعنی اقبال حقیقی محبت کو ہی محبت قرار دیتا ہے۔ محبت کی اداکاری اور ایکٹنگ کو دراصل حضورِ اکرمؐ کی توہین سمجھتا ہے۔

مگر اقبال نے یہ سلیقہ کہاں سے سیکھا۔ کوئی نقاد خواہ کچھ کہے میں تو کہوں گا کہ اس نے محبوب سے ہی سیکھا۔ اور محبت کا تقاضا بھی یہی ہے بلکہ اس کی خاصیت یہی ہے۔ تو کیا محبوب نے یہ سلیقہ صرف اقبال کو سکھایا؟ نہیں۔ ساری اُمت کو سکھایا۔ خواہ وہ امت دعوت ہو یا امت اجابت مگر افسوس کہ اکثر سیکھنے کا دم بھرنے والوں نے محبوب سے نہ سیکھا بلکہ اپنے من سے سیکھا۔ اپنی خواہشِ نفس سے سیکھا۔ کیونکہ محبوب نے سکھایا تھا مَنْ اَحَبَّ سُنَّتِیْ فَقَدْ اَحَبَّنِیْ۔ یعنی میری محبت کے دعوے میں سچا وہ ہے جو میرے کہنے اور میرے طریقے کے مطابق زندگی بسر کرے۔ اگر کسی کو میری سنت سے محبت نہیں تو وہ میری محبت کے دعوے کرنے میں جھوٹا ہے۔ اقبال نے تو یہ بات پلے باندھ لی مگر ہماری سمجھ میں نہیں آ رہی۔ اس لیے ہم گرگٹ کی طرح رنگ بدلتے رہتے ہیں۔ ایک وقت تھا کہ ہم محبتِ رسولؐ کے اظہار کے لیے ایک دن مناتے تھے جسے بارہ وفات کہتے تھے۔ یہ نام بھی ہم نے خود ہی رکھا اور یہ دن منانے کا طریقہ بھی خود ہی تجویز کیا۔ پھر تہذیب ہی ترقی ہوئی۔ ہم موت سے گھبرانے لگے اس لیے وفات کا لفظ کھٹکنے لگا

ہم نے اِس عنوان کو بدل دیا اور اِس کا نام میلاد رکھا۔ کچھ عرصہ ہم نے اسی پر اکتفا کیا۔ پھر اجتماعی اور عمومی جذبات کا غلبہ ہُوا تو ہم نے یہ عنوان بدلا نہیں بلکہ ایک اضافہ کر دیا کہ عید میلاد النبی نام رکھ لیا۔ کچھ عرصہ اس سے کام چلایا۔ مگر ایک چیز کھٹکتی رہی کہ عید کا لفظ روائتی اور اعتقادی اعتبار سے عبادت کے ساتھ وابستگی کا تصور دیتا ہے۔ اور یہاں یہ حال کہ ؎

کیسی نماز؟ بال میں ناچو جو جنابِ شیخ
تجھ کو خبر نہیں کہ زمانہ بدل گیا

لہٰذا بڑی ریسرچ کے بعد اِس کا بدل تلاش کر لیا گیا اور نام رکھا جشنِ میلاد۔ کیونکہ جشن کا لفظ معنوی اعتبار سے بڑی وسعت کا حامل ہے۔ یعنی جشن اُسے کہتے ہیں جس میں ہر شخص اپنی پسند کے مطابق خوشی کا اظہار کرے۔ کوئی پابندی نہ ہو۔ مثلاً جشن منانے کا سلیقہ یہ ہے کہ ناچو کودو، گاؤ، سوانگ بھرو، چیخو، چلاؤ، غرض جو چاہو کرو۔ چنانچہ جب ہم محبتِ رسول میں ترقی کرتے کرتے جشن تک پہنچے تو اَب اِس میں وہ سب کچھ ہوتا ہے جو اُوپر بیان ہُوا۔ اور وہ سب کچھ ہوتا رہے گا جو بیان میں نہیں آسکا اور قوم جھوم جھوم کے کہے گی کہ ہم نے محبتِ رسول کا حق ادا کر دیا اور محبتِ رسول کہتی رہے گی، نادانو! تم نے اپنے آپ پر بھی ظلم کیا اور میری بھی ناقدری کی بلکہ تم نے تو محبت کو ہی رُسوا کر دیا۔ کیونکہ

اِنَّ الْمُحِبَّ لِمَنْ یُّحِبُّ مُطِیْعُ

یعنی چاہنے والا تو لازماً اپنے محبوب کا اطاعت شعار ہوتا ہے۔

اَللّٰھُمَّ ارزقنا حبّك وحبّ حبیبك

مدیر

# باتیں ان کی خوشبو خوشبو

## ارشادات حضرت مولانا اللہ یار خان رح

فرمایا: محدثین و فقہا کا اس بارے میں اتفاق ہے کہ نوم انبیاء ناقضِ وضو نہیں۔ امام محمد رح نے امام ابوحنیفہ رح سے روایت کیا ہے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، پہلو کے بل سو گئے اور اُٹھ کر وضو کیے بغیر نماز پڑھی اور فرمایا میری آنکھیں سوتی ہیں اور میری قلب نہیں سوتا۔ جمہور اہلِ اسلام کا عقیدہ یہی ہے کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی آنکھوں پر نیند طاری ہوتی ہے۔ مگر ان کے قلب پر طاری نہیں ہوتی۔ یہی عقیدہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تمام صحابہ کرام رض کو سکھایا۔

فرمایا: موضوع تصوف اصلاحِ باطن ہے اور اس کا مدار اصلاحِ قلب پر ہے۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جسمِ انسانی میں گوشت کا ایک ٹکڑا ہے۔ اگر وہ ٹھیک ہو گیا تو سارا جسم درست ہو گیا۔ اگر وہ بگڑ گیا تو سارا جسم بگڑا۔ سُنو: وہ قلب ہے۔

اس حدیث میں بیان تو مضغہ لحم صنوبری کا ہُوا ہے مگر حکم اس لطیفہ کا ہے۔ جس کو اس مضغہ سے گہرا تعلق اور اتصال ہے اس وجہ سے بیان مضغہ کا کر دیا گیا ہے۔ حدیث میں درستی قلب کو درستی بدن کا سبب بتایا گیا ہے اور یہ درستی قلب بغیر فنا بقار محال ہے۔ اس درجہ میں سالک فنائیت قلبی کے بعد واصل باللہ ہوتا ہے۔ اس سے پہلے ایمان کے متزلزل ہونے کا خطرہ ہوتا ہے۔ اس کی تصدیق بخاری کی اس حدیث سے ہوتی ہے۔ جس میں ابوسفیان اور ہرقل روم کا مکالمہ

اسرار التنزیل

# رحمتِ دو عالم
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

# بحیثیت سرچشمۂ
# رُشد و ہدایت اور فوز و فلاح

حضرت مولانا محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۝
وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ
مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ . .
. . . ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝
(توبہ - ۱۰۰/۹۹)

## خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم
## منبع ماخذِ رشد و ہدایت

دنیا میں سرچشمۂ ہدایت انبیاء و رُسل ہُوا کرتے ہیں اور آقائے نامدار صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی ذات امام الانبیاء ہے اور خاتم الانبیاء بھی ہے۔ تمام تر ہدایت کا منبع و ماخذ حضور صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس ہے۔ جب انبیاء دنیا میں تشریف لاتے ہیں تو خلقِ خدا بنیادی طور پر دو حصوں میں تقسیم ہو جاتی ہے۔ ایک وہ جو اُن کی حیثیت اُن کی نشان اُن کی نبوت اُن دعویٰ نبوت کی تکذیب کرتے ہیں اور انکار کرتے ہیں۔

## ایمان رواجات کی آمیزش سے پاک ہے

ایک وہ جو نبی کی ذات کے ساتھ اُس کی نبوت کے ساتھ اُس کے دعوٰیٔ نبوت کے ساتھ ایمان لاتے ہیں اور مومنین میں شامل ہوتے ہیں ۔ جس طرح انکار کرنے والوں کی متعدد اقسام ہیں۔ بعض لوگ رسوم و رواجات میں جکڑے ہوتے ہیں اُن کو چھوڑ نہیں سکتے۔ کچھ لوگ خاندانی مذاہب میں گرفتار ہوتے ہیں۔ بعض لوگ حقائق کو سمجھ جاتے ہیں مگر اپنی خاندانی وجاہت یا اُن کے اپنے نزدیک جو انہوں نے بنا رکھا ہوتا ہے، ایک مقام اُس کے لیے چیلنج سمجھ کر قبول نہیں کرتے۔ یہ متعدد اقسام کفر کی ہوتی ہیں۔

اسی طرح جو لوگ ایمان لاتے ہیں وہ دو طرح سے بنیادی طور پر پھر تقسیم ہوتے ہیں۔ ایک تو وہ لوگ ہوتے ہیں جو ایمان لانے کے بعد ذاتِ پیامبرؐ کے قریب ہوتے چلے جاتے ہیں اور وہ قُرب اور اُس فاصلے کی کمی کی وجہ سے اُن کی اپنی حیثیت گھٹتی اور فنا ہوتی چلی جاتی ہے۔ یعنی وہ نبی کے ساتھ تعمیرِ ذات کے لیے چسپاں نہیں ہوتے بلکہ اپنی ذات کو فنا کرنے کے لیے چسپاں ہوتے ہیں اور جوں جوں مدارجِ قُرب منازلِ قُرب ترقی کرتے چلے جاتے ہیں اُس کی اپنی ذات فنا ہوتی چلی جاتی ہے حتیٰ کہ اُن کا نقطۂ کمال یہ ہوتا ہے کہ اُن کا قول فعل کھانا پینا اوڑھنا بچھونا اُن کا اپنا نہیں رہتا بلکہ ہر چیز پر قول پیامبرؐ کی چھاپ لگی ہوتی ہے۔ گویا وہ اپنی ذات ہار جاتے ہیں۔ اُن کی مثال قرآن کریم نے یوں دی ہے:

وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ
مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ

یہ جو سبقت کرنے والے لوگ ہیں مہاجرین میں سے اور جنہوں نے سبقت ایمانی حاصل کی ۔ وہ لوگ جو مکّہ مکرمہ میں حضور صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کی ذات سے آشنا ہوئے۔ جنہوں نے مدینہ طیبہ سے بڑھ کر مکّہ مکرمہ جا کر دعوت دی۔ اپنے سینے فراخ کر دیئے اور انصار کا لقب پایا۔ ان

## صحابۂ کرام رضؓ کا
## مثالی دعوئے ایمانی

دو گروہوں نے اپنی ذات کو اس طرح سے فنا کیا اپنی خواہشات کو نبیؐ کے احکام میں اس طرح مدغم کر دیا۔ اپنی طلب کو اس طرح

مٹا دیا کہ اللہ فرماتے ہیں اب قیامت تک آنے والی انسانیت کے لیے اُن کا نقشِ کفِ پا جو ہے وہ راہِ ہدایت ہوگا وَالَّذِیْنَ اتَّبَعُوْا بِاِحْسَان مہاجرین وانصار کے بعد قیامت تک آنے والوں کے لیے اُن کا اُن مہاجرین وانصار کا اتباع جو ہے اور وہ اتباع بھی رسماً یا رواجاً نہ ہوگا بلکہ باحسان صمیم قلب سے دل کی گہرائیوں سے ہو حالانکہ مطاع صرف نبی ہوتا ہے واجب الاتباع رسول ہوتا ہے اور اطاعتِ رسول اس لیے کی جاتی ہے کہ رسول کی اپنی ذات احکامِ خداوندی کے سامنے فنا ہوتی ہے۔ حتیٰ کہ ارشاد ہوتا ہے وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْھَوٰی اِنْ ھُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی۔ میرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لب مبارک نہیں ہلتے کوئی لفظ ارشاد نہیں فرماتے ایسا جن میں اُن کی اپنی رائے کو دخل ہو اُن کا ہر لفظ جو ہوتا ہے اللہ کی طرف سے ہوتا ہے۔

اِنْ ھُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی (سورہ نجم-۴)

اللہ کی طرف سے وحی کیا جاتا ہے آپ کے قلبِ اطہر پر — تو گویا ارشاد پیامبر سارے وحی الٰہی ہیں۔ پھر وحی کی دو قسمیں ہیں۔

ایک وحی متلو جو قرآن کریم ہے جس کی تلاوت کی جاتی ہے اور ایک غیر متلو جسے ہم حدیثِ رسول کہتے ہیں حقیقتاً وہ بھی وحی الٰہی ہے۔ اس میں بھی نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی کو کوئی دخل نہیں ہے یا آپ نے اپنی پسند سے ارشاد فرما دیا ہو بلکہ ہے وہ بھی بات اللہ کی۔ الفاظ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ہیں۔ اور یہ جو وحی متلو ہے یہ بات بھی خدا کی الفاظ بھی خدا کے ہیں بات بھی خدا کی ہے مفہوم بھی اللہ کا ہے اور الفاظ بھی اللہ جلّ شانہٗ کے ہیں اور حدیث میں بات اللہ کی ہے الفاظ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ہیں۔

## کلامِ نبویؐ ۔ ۔ ۔ ۔
## من جانب اللہ ہوتا ہے

تو گویا ذات پیامبرؐ اپنا وجود برقرار رکھنے کے باوجود فنا فی اللہ کے اُس اعلیٰ مقام پر ہوتی ہے جہاں پیامبرؐ کی کوئی حرکت کوئی سکون کوئی فعل کوئی پسند کوئی ناپسند اللہ کی مرضی کے خلاف نہیں ہو سکتی۔ اور نبیؐ کے ساتھ پیوست ہونے والے لوگوں میں سب سے بڑا کمال یہ آتا ہے کہ وہ اپنی ذات کو گھٹاتے جاتے ہیں اور عظمتِ پیامبرؐ کو بڑھاتے اور اپنی ذات پہ وارد کرتے

چلے جاتے ہیں تا آنکہ اُن کا نقطۂ ارتقاء یہ ہوتا ہے کہ اُن کی اپنی ذات معدوم ہو جاتی ہے، نہ ہونے کے برابر ہو جاتے ہیں اور اُن کا اُٹھنا بیٹھنا اس بات کی دلیل بن جاتا ہے کہ نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اِس طرح سے اُٹھے ہوں گے۔ اُن کا اوڑھنا بچھونا کھانا پینا اُن کے اعمال اُن کے عقائد اُن کے نظریات مظہر بن جاتے ہیں پیامبرؐ کی پسند کا جس طرح وجود جس طرح مظہر ہوتا ہے اللہ جلّ شانہٗ کی پسند اور ناپسند کا۔ نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اُٹھنا اس بات کی دلیل ہے کہ اس طرح کا اُٹھنا خدا کو پسند ہے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا کسی سے جنگ کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ ایسے لوگوں سے جنگ کرنا اللہ کو پسند ہے۔ اور حضور پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا صلح کرنا اِس بات کی دلیل ہے کہ اِس طرح سے صلح کرنا خدا کو پسند ہے یعنی فعل تو پیامبرؐ کا ہے لیکن مظہر ہے رضائے باری کا۔

اِس طرح اللہ کریم فرماتے ہیں یہ جو مہاجرین و انصار سابقین کا گروہ ہے انہیں فنا فی الرسول میں وہ درجہ حاصل ہے کہ ساری انسانیت اور قیامت تک آنے والے لوگوں کے لیے ذریعہ نجات یہ ہے کہ خلوص قلب سے ان کی پیروی کریں۔

## مقام فنا کا مفہوم

یہ ہے وہ گروہ جو دعویٰ ایمان کے بعد اپنے آپ کو اُس مقام پہ لے جاتا ہے، جسے فانی کہتے ہیں اور تصوف ایک اصول ہے۔ کہ فنا جسے حاصل ہو جائے وہ وہاں سے پلٹتا نہیں ہے لوٹتا نہیں ہے واپس نہیں آتا۔ کیونکہ فنا کے بعد اُس کا اپنا وجود باقی نہیں رہتا۔ اُس فنا سے مُراد یہی ہے کہ جس ہستی سے وہ مستفاد ہُوا جس ہستی سے اُس نے فیض حاصل کیا جس ہستی سے اُس نے برکات حاصل کیں اُس ہستی میں اپنے آپ کو اس طرح مدغم کرتا چلا گیا کہ اُس کی اپنی ذاتی پسند نہ رہی بلکہ پسند اُس ہستی کی رہی اور اس کا لحاظ یہاں تک ہوتا ہے جو غیر طبعی طور پر بھی ظاہر ہوتا رہتا ہے۔

ایک صحابی کا واقعہ ہے کھانا کھانے بیٹھے تو اُن کا لڑکا ساتھ کھانے کے لیے بیٹھا۔ اُس بچے نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی پسندیدہ سبزی تھی تو بچے کو طبعاً مزا آیا

پسند نہ آیا۔ اُس نے کہا یہ کیا فضول سی سبزی ہے جو ہمارے گھر روز چوتھے دن پکی ہوتی ہے کھانے کو جی نہیں چاہتا۔ اُس نے عام مزاج کے مطابق ایک بات کر دی تو انہوں نے تلوار کھینچ لی۔ اب سارا گھر لرزہ براندام ہے۔ بات کیا ہوئی۔ دسترخوان پر باپ بیٹا بیٹھے تھے۔ باپ کے ہاتھ میں تلوار ہے۔ وہ چھوڑنے کو تیار نہیں۔ معاف نہیں کرتا۔ بات کیا ہے تو کہنے لگے یہ ہوتا کون ہے اِس نے کہا مجھے پسند نہیں حالانکہ نبی کریم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کو پسند ہے، تو اِس نے کیوں کہہ دیا مجھے پسند نہیں۔ اُس نے منّتیں کیں معافی مانگی۔ اِس غریب کو جب علم نہیں تھا کہ حضورؐ کدّو تناول فرمایا کرتے تھے تو اِس کا قصور کیا ہے تو معافی دینے کے بعد اِس بات پہ راضی ہوئے کہ آج مَیں اسے کچھ نہیں کہتا لیکن جب تک مَیں زندہ ہوں میرے ساتھ دسترخوان پر نہیں بیٹھ سکتا پھر پوری زندگی اُسے اپنے ساتھ بیٹھنے نہیں دیا۔

یعنی انہیں اس بات سے غرض نہیں ہے کہ کدّو لذیذ ہے یا نہیں ہے۔ اُنہیں اِس بات سے غرض نہیں ہے کہ کدّو اچھا ہوتا ہے یا نہیں ہوتا۔ اُنہیں اس بات سے غرض نہیں ہے کہ اس کا ذائقہ کیا ہے وہ اِس بات پہ کھا رہے ہیں کہ یہ حضورؐ پسند کرتے ہیں۔

حالانکہ آدمی کھانے پینے میں مکلف نہیں ہے۔ تکلیف شرعی عبادات میں ہے، عادات میں نہیں ہے۔ یہ یاد رکھیں ایک بات ہے، عبادات کی۔ عبادات کے ہم مکلف ہیں کہ جس طرح حضورؐ حکم دیں اُس طرح کریں۔ عادات کا کوئی مکلف نہیں ہوتا۔ عادات کا یہ ہوتا ہے کہ اگر اختیار کر لی جائیں تو بہت بابرکت ہیں۔ کیونکہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عادات ہیں۔ لیکن اگر کوئی اختیار نہ کرے تو وہ شرعاً گنہگار نہیں ہوگا۔

## فنا فی الرّسولؐ

لیکن فنا فی الرسولؐ کا کمال یہ ہے کہ عادات بھی جان سے مال سے اولاد سے عزیز ہو جاتی ہیں۔ اب یہ محض حضورؐ کی یہ ایک عادت تھی کوئی وحی الٰہی تو نہیں تھی کہ ضرور کدّو کھایا جائے یا شرعاً کوئی کدّو کا کھانا فرض سنّت واجب تو نہ تھا عادت مبارکہ تھی تو وہ شخص فنا کے اُس مقام پر تھے جہاں عادات و عبادات سے فرق اُٹھ جاتا ہے اور محققین و مفسّرین

محدثین سب اس بات پہ گواہ ہیں کہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین فرض سنّت اور نوافل سب کو ایک اہتمام سے پڑھتے تھے۔ یعنی ادا فرائض کو فرائض کرتے سنتوں کو سنتیں کرتے، نوافل کو نوافل کرتے لیکن کسی بھی عادت میں کوئی ذرا سی ڈھیل نہیں آنے دیتے تھے۔ بالکل اُتنا ہی اہتمام اُسی طرح کا خشوع ویسا ہی اہتمام اُتنا ہی وقت پوری توجہ اُسی طرح دیتے تھے جس طرح فرائض میں دیتے تھے کیوں ــــ اُن کے لیے سنّت اور نوافل اتنے ہی لذیذ تھے جتنے فرض ــــ کیونکہ انہوں نے وہ سُنتیں پڑھیں جو اُن کے سامنے اُن کے محبوب پیغمبر صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم نے پڑھیں۔ انہوں نے وہ نوافل پڑھے جو حضور اکرم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم نے پڑھے تو وہ نوافل کو اتباع رسالت کر کے پڑھتے تھے تو اُس درجے میں سارے برابر آجاتے تھے۔ تو خدا نے انہیں ایک مقام دے دیا۔

## مرضیاتِ باری کو پانے کا راستہ
## رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم
## اور صحابہ کرام رضؓ کا راستہ ہے

کتنا عجیب ہے قیامت تک آنے والی انسانیت کے لیے یہ کافی ہے کہ اوّلین وسابقین مہاجرین وانصار کی منادی کر دو یعنی ان سے ممکن ہی نہیں ہے کہ وہ حضورؐ کی منشا کے خلاف کریں۔ اُنؐ کی غلامی کرو گے تو تم نے رسول اللہؐ کی غلامی اور رسولؐ کی اطاعت کی تو تُو نے اللہ کی اطاعت کی۔

تو فرمایا وَالَّذِیْنَ اتَّبَعُوْہُ بِاِحْسَانٍ (سورہ توبہ ۹۹/۱۰۰) جو شخص بھی قیامت تک آنے والی انسانیت کا کوئی فرد خلوصِ دل سے اُن کا اتباع کرے رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ خدا اُس شخص پہ راضی ہو گیا اور اُسے کتنا دے گا اتنا دے گا کہ جس پر وہ شخص کہہ اُٹھے گا کہ خدایا میں راضی ہوں۔

اور اس سے مزید آگے وضاحت ہے قرآن کریم کا ارشاد ہے اَعَدَّ لَہُمْ۔ اس لَہُمْ کی ضمیر راجع ہے وَالَّذِیْنَ اتَّبَعُوْھُمْ (توبہ ۔ ۹۹/۱۰۰) اُن لوگوں کی طرف جنہوں نے صحابہ رضؓ کی غلامی کی ــــ تو روشن قرآن میں یہ ہے کہ اُنہیں کے لیے تو جنّت بنائی گئی ہے۔ وَاَعَدَّ لَہُمْ ــــ اُن کے لیے ــــ کن کے لیے جنہوں نے صحابی کی غلامی کی۔ وَاَعَدَّ لَہُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ

تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا ۔
(سورہ توبہ ۔ ۹۹/۱۰۰) اُنہیں کے لیے تو فرمایا
مَیں نے اتنی بڑی عالی شان جنّت ترتیب
دی ہے ۔ اور وہ جنّت میں ہمیشہ رہیں گے
ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ ۔ فرمایا یہ بہت
بڑی کامیابی ہے ۔

کوئی اللہ کی مرضیات کو پالے کسی کو جنّت
میں داخلہ مل جائے ۔ اور اُن کا صرف داخلہ
کی بات نہیں ہے اُن کے بارے میں تو ارشاد
ہوتا ہے اُنہی کے لیے ہی تو جنّت بنائی گئی
ہے ۔

ایک دوسری قسم تھی وہ بھی ایمان لائے
تھے اور تمام اعمال کرتے رہے جو مخلصین کرتے
رہے اور تمام وہ الفاظ پلتے ہیں جو مخلصین
پاتے ہیں یعنی اگر آپ مخلص کو مسلمان کہتے ہیں
تو وہ مسلمان کہلائیں گے ۔ اگر آپ صحابی کہتے
ہیں تو وہ صحابی کہلائیں گے ۔ لیکن خداوندِ عالم
یہاں نشان دہی کرتے ہیں فرماتے ہیں وَمِمَّنْ
حَوْلَكُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ مُنٰفِقُوْنَ ۛ
(سورہ توبہ ۔ ۱۰۱) فرمایا کچھ لوگ ایسے بھی ہیں
اِرد گرد کے گرد و نواح کے دیہاتی بعض شہری
مدینہ منوّرہ کے رہنے والے ۔ اب یہ وہ
لوگ ہیں جو حضور صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم
پر ایمان لانے کے مدعی ہیں ۔ یہ وہ لوگ
ہیں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء میں
نمازیں پڑھتے ہیں اور جو صحبتِ پیامبرؐ
کے حامل ہیں اور بیٹھتے ہیں حضورؐ کے ساتھ ۔
اللہ کریم فرماتے ہیں یہ منافق ہیں ۔

## مومن اور منافق کا فرق

منافق اور مومن میں فرق کیا ہوتا ہے ۔
جیسے مَیں نے عرض کی ہے کہ مومن اپنی ذات
کو فنا کرنے کے درپے ہوتا ہے ، اپنی
خواہشات کو فنا کرنے میں لگا رہتا ہے ۔
اپنی پسند و ناپسند کو فنا کرنے میں لگا
رہتا ہے ۔ اسی طرح منافق اپنی ذات کی
تعمیر میں لگا رہتا ہے اور وجودِ پیامبرؐ کو
ذریعہ بناتا ہے اپنی آرزوؤں اور خواہشات
کی تکمیل کا ۔ یہ ہوتا ہے بنیادی فرق مومن
اور منافق میں ۔ مومن اپنی ذات کو فنا
کر کے اللہ اللہ کے رسول یا اُس شخص سے
جس سے وہ مستفاد ہو رہا ہے جس سے
فائدہ حاصل کر رہا ہے اُس کی مرضیات کو
نافذ کرنے میں اپنی کوشش صرف کرتا ہے

اور منافق بنیاد بناتا ہے اُس وجودِ پاک کو جس کو بنیاد بنا کر مومن نے درجۂ صحابیت پالیا۔ منافق اُسی وجودِ اقدس کو بنیاد بنا کر اُسی کی غلامی کا چرچا کر کے اُسی جیسی حرکات کر کے چاہتا یہ ہے کہ میں اپنی ذات کی کوئی اہمیت حاصل کروں۔ یہ بنیادی فرق ہوتا ہے بڑا تھوڑا سا بڑا لطیف سا اور بڑا نازک سا۔ چونکہ قد علیحدہ نہیں ہوتے حُلیے نہیں بدلتے، زبان نہیں بدلتی عمل نہیں بدلتا اگر بدلتا ہے تو اندر سے نہایت اندر سے جا کر بدلتا ہے۔ ایک دل میں یہ خواہش ہے کہ اللہ کرے میں مٹ جاؤں لیکن محبوب کی مرضیات اُجاگر ہو جائیں۔ میرا مٹنا بھی حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کام کی تکمیل کا ذریعہ بن جائے۔ یہ ہوتا ہے ایمان کمال ایمان یہ ہے کہ کسی کا اُٹھنا، بیٹھنا، سونا جاگنا فنا ہو جائے ذاتِ پیامبر میں۔

اب دوسری طرف کے جو لوگ ہوتے ہیں وہ رہتے نبیؐ کے ساتھ ہیں نمازیں نبیؐ کے ساتھ پڑھتے ہیں دیکھنے والے اُن کو نبیؐ کا صحابیؓ جانتے ہیں اور خود نبی گمان کرتا ہے اللہ کریم فرماتے ہیں لَا تَعْلَمُوْنَهُمْ "اے میرے نبیؐ تُو نہیں سمجھ سکتا تُو نہیں جانتا ہے نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ لیکن میں خدا ضرور جانتا ہوں۔ یعنی نبی کی ذات کو بھی دھوکہ دے سکتے ہیں خدا کو نہیں دے سکتے۔ وہ دیکھ رہا ہوتا ہے

## نفاق سب سے بڑا مرض ہے

فرماتا ہے یہ نفاق ایسی بیماری ہے کہ کوئی یہ سمجھے کہ نفاق جا کر آخرت میں ظاہر ہوگا۔ یہ بات نہیں ہے۔ اگرچہ وقتی اور لمحاتی طور پر دھوکا دیتے ہیں پیامبر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو مومنین کو لیکن خدا چونکہ جانتا ہوتا ہے فرمایا سَنُعَذِّبُهُمْ مَّرَّتَيْنِ (توبہ - ۱۰۱) "میں اُنہیں دو عذاب دیتا ہوں"۔ مختلف محققین نے مختلف کیفیات عذاب کی لکھی ہیں۔ لیکن میں نے اسے یوں سمجھا ہے دو دفعہ عذاب دینے کو کہ ایک عذاب تو یہ ہُوا کہ نفاق بالآخر پھٹ جاتا ہے اور کوئی بھی منافق اُس نفاق کو محفوظ لے کر اس دنیا سے نہیں اُٹھتا یعنی جس بات سے وہ ڈرتا ہے کہ ظاہر نہ ہو جائے وہ ظاہر ہو کر رہتی ہے اور دوسرا عذابِ الٰہی یہ ہوتا ہے کہ جو کچھ وہ بننا چاہتا ہے وہ بن نہیں پاتا۔ یعنی جس غرض کے لیے

اُس نے ساری محنت کی اُس نے ساری کوشش کی اُس نے پیامبر صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلّم کو دھوکا دینے کی کوشش کی۔ اُس نے اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کیا۔ یہ ساری محنت اُس کی رائگاں چلی جاتی ہے۔ اور فرمایا، ثُمَّ یُرَدُّوْنَ اِلٰی عَذَابٍ عَظِیْمٍ اور اس کے بعد اُن کا سابقہ آخرت کے بہت بڑے عذاب سے ہوگا۔ یعنی آخرت سے بہت پہلے یہ چیزیں وارد ہو جائیں گی۔

اور یاد رکھیں نبوّت نبیؐ کی ذات کا وصف بن جاتا ہے۔ نبوّت خود وصف بن جاتا ہے۔ ذاتِ نبی کا لیکن ولایت ولی کی ذات کا وصف نہیں بنتی ولایت مستر و طر رہتی ہے ہمیشہ اوصاف انسانی سے اسی لیے نبی معصوم ہوتا ہے اُس سے خطا ہو ہی نہیں سکتی۔ اور ولی مکلف ہوتا ہے کہ جب کبھی وہ وصف چھوڑ دے جو ولایت کی تعمیر کا سبب بنا تو ساری عمارت دھڑام سے گر جاتی ہے۔

ولایت اور نبوّت میں بنیادی طور پر یہ فرق ہوتا ہے کہ نبی کی نبوت اس کی ذات کا وصف بن جاتی ہے اُس سے جُدا نہیں ہو پاتی۔ اور یہ کمال ہوتا ہے نبی کا کہ وہ معصوم عن الخطا ہوتا ہے اور اُس سے کبھی غلطی ہوتی ہی نہیں۔ ولی سے خطا کا صدور ممکن ہے۔ ہر لحظہ ہر آن ہر گھڑی جب تک وہ اس دنیا سے رخصت نہیں ہو جاتا نبی کے بعد صحابی ہو تابعی ہو تبع تابعی ہو عالم ہو جاہل ہو ولی ہو یا عام مومن ہو اُس سے غلطی کا امکان رہتا ہے اور ولایت کی بنیاد ہوتی ہے اُس کی اُس درجہ فنا پر جو اُسے اپنے نبی کے ساتھ یا اپنے مربّی کے ساتھ یا اپنے شیخ کے ساتھ حاصل ہوتا ہے۔ اگر تو یہ اُس کی ذات میں فنا رہے تو یہ ایک ڈھال بن جاتی ہے لیکن اگر اُس کی ذات کو استعمال کر کے بنیاد بنا کر جس طرح منافق نے ذاتِ پیامبرؐ کو بنیاد بنایا کہ میں حضورؐ کا غلام ہوں۔ حضورؐ کا تابع فرمان ہوں۔ خدا پر ایمان رکھتا ہوں۔ لیکن اس ایمان اور اس دعوے کے پردے میں تکمیل اپنی خواہشات کی کرتا رہا۔

مومن اور منافق میں بنیادی فرق یہ ہے کہ مومن ساری محنت کرتا ہے حضورؐ کے ارشاد کی تکمیل کے لیے اور منافق حضورؐ کے حکم بھی اس لیے مانتا ہے کہ آپ کا تابع فرمان کہلا کر اپنا کوئی مفاد حاصل کر لوں۔

یہی بات جب نچلے درجے میں آتی ہے، تو جو بھی شخص اس کو اپناتا ہے اُس کے ساتھ وہی معاملہ کیا جاتا ہے جو دورِ اوّل کے ایسے لوگوں کے ساتھ اللہ کریم نے کیا تھا اور اُن کو پھر وہی حیثیت حاصل ہو جاتی ہے اِس سے یوں نہ سمجھا جائے کہ ہر غلطی کرنے والا منافق ہوتا ہے فرمایا ایسا نہیں وَاٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ۔ (سورۃ توبہ ۱۰۲) کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جن کو نبی کی ذات پہ اعتماد ہوتا ہے لیکن کما حقہٗ پیامبرؐ کا اتباع نہیں کر سکتے تو یہ کیا ہوتا ہے غلطی کرتے ہیں مگر غلطی کو غلطی قبول کرتے ہیں۔ کہتے ہیں جو مَیں نے کیا غلط ہے جو حضورؐ نے کیا وہ حق ہے ــــ ساری غلطیاں بھی نہیں کرتے بلکہ اتباع بھی کرتے ہیں۔

فرمایا خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا وَّاٰخَرَ سَيِّئًا ط (سورہ توبہ ۔ ۱۰۲) کبھی کوئی بُرا عمل اُن سے ہو جاتا ہے کبھی نیکی کر لیتے ہیں۔ یعنی اچھائی اور بُرائی کو ملائے رکھتے ہیں۔ انسانی کمزوریوں کی بنیاد پر غلطی کرتے ہیں لیکن غلطی کی نسبت اپنی طرف کرتے ہیں اور خود کو قصوروار مانتے ہیں۔ اور کہتے ہیں حق وہ ہے جو حضورؐ کی سُنّت ہے، مَیں نے غلطی کی ــــ اور کبھی اچھائی بھی کرتے ہیں۔

عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْهِ ا ایسے لوگوں کو اللہ کی طرف سے توبہ کی توفیق نصیب ہوتی ہے۔ قریب ہے کہ اللہ اُن کی توبہ قبول کرلے۔ کیوں اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ اللہ بڑا بخشنے والا ہے۔ بڑا رحم کرنے والا ہے کہ بشری کمزوریوں کی بنیاد پر حقِ اطاعت ادا نہ کر سکے لیکن حکم کی اہمیت کے قائل رہے اس پر قائم رہے کہ قصور میری طرف ہے اور کمال حضورؐ کی طرف صلی اللہ علیہ وسلم۔

ایسے لوگوں کے لیے حکم ہوتا ہے، حضور صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کو ــــ خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ آپؐ ان کا مال قبول فرمائیے آپؐ کا قبول کر لینا اِن کے مال کو اِن کے لیے پاک ہو جانے کا تزکیہ ہو جانے کا سبب بن جائے گا۔ وَصَلِّ عَلَيْهِمْ آپؐ ان کے لیے دعا فرمایا کریں اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ آپؐ کی دعا ان کے لیے

وجۂ تسکین بن جاتی ہے۔ وہ بشری کمزوریاں جو ان میں موجود ہیں اور کمال اطاعت نہیں کر سکتے اُن کا خلا آپؐ کی دعا پورا کر دے گی آپؐ اُن کے حق میں دُعا فرمایا کریں۔ اِن کے مال کو آپؐ قبول فرمایئے۔ ان کی دعوت قبول کر لیجئے۔ یہ مال پیش کریں تو قبول فرمایئے کھانا قبول کر لینا اُن کے مال کے لیے بھی اور اُن کی ذات کے لیے بھی طہارت اور تزکیہ کا سبب بن جائے گا۔

اَلَمْ یَعْلَمُوْٓا . . . . تَوَّابٌ رَّحِیْمٌ

یہ بات بڑی واضح ہے کہ خدا اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے۔ اُن کے مال و جان کو شرفِ قبولیت بخشتا ہے اور وہ ہے ہی توبہ قبول کرنے والا۔ اب فرمایا اس میں معیار کیا ہوگا۔ خداوندِ عالم نے تو بتا دیا کہ ایک وہ لوگ ہیں جو مرضیاتِ پیامبرؐ کے لیے اپنی ذات کو فنا کرتے ہیں اور دوسرے وہ ہیں جو اتباعِ رسالت کر کے اپنے آپ کو نمایاں کرنا چاہتے ہیں۔ ان کی پہچان کیسے ہوگی۔

فرمایا قُلِ اعْمَلُوْا سب کا عمل اُن کا گواہ ہے جو عمل کرو فَسَیَرَی اللّٰہُ عَمَلَکُمْ . . . . وَالْمُؤْمِنُوْنَ۔

تمہارے عمل کو خدا دیکھے گا اللہ کا رسولؐ دیکھے گا اور اللہ کے مخلص بندے دیکھیں گے کہ جو عمل تم کر رہے ہو یہ عمل تمہارے دعوے کے ساتھ مطابقت رکھتا ہے یا نہیں رکھتا۔ اگر تو وہ اُس دعوے کے ساتھ مطابقت نہیں رکھتا تو تمہیں اُس درجے میں دھکیل دیا جائے گا جو منافقین کا ہے اور اگر تمہارا عمل تمہارے دعوے کے ساتھ مطابقت رکھتا ہے تو وہ اِس بات کا گواہ بن جائے گا کہ تم مخلص ہو اور تم مومن ہو لیکن اگر عمل اُس معیار پہ پورا نہ اُترے تو یاد رکھو دنیا میں ممکن ہے انسانوں کو دھوکا بھی دے لو۔ سَتُرَدُّوْنَ اِلٰی عَالِمِ الْغَیْبِ وَالشَّہَادَۃِ۔ تمہیں اُس ذات کے پاس پہنچنا ہے، جو شہادت ظاہر یا غیبی امور کو غائب و حاضر سب کو جانتا ہے اور پھر وہ تمہارے سامنے تمہارے کردار کے پول کھول دے گا۔ وَیُنَبِّئُکُمْ بِمَا کُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ تم جو کچھ کرتے رہے وہ تم پہ بیان کر دیا جائے گا۔

تو میرے بھائی بڑا سیدھا سادہ سا معیار ہے انسانوں کے لیے کہ کوئی شخص اپنی

## اپنی اور تعمیرِ دین کے لیے مرضیاتِ پیامبرؐ کا اتباع اشد ضروری ہے۔

کاوش میں اپنے آپ کے لیے تعمیرِ دین کے لیے مرضیاتِ پیامبرؐ کے لیے اتباعِ رسالت کے لیے (یوں کہہ دے) کہ منشاءِ رسولؐ پورا ہو میں رہوں یا نہ رہوں اُسے فنافی الرسولؐ اپنی حیثیت کے مطابق حاصل ہوتا ہے، اور کسی کو اور۔ بعض اوقات یہ ہوتا ہے کہ لوگ فطرتاً طبعاً مخلص نہیں ہوتے لیکن کوئی اتنا مضبوط اور پُرخلوص آسرا مل جاتا ہے اُس کے ساتھ وہ گھسٹتے چلے جاتے ہیں وہ وصف اُن کا ذاتی نہیں ہوتا۔

جس طرح مراقبات میں آپ دیکھیں گے بعض لوگوں میں اتنی قوت ہوتی ہے کہ اُن کو جو مراقبات کرائے جائیں وہ اُن کی ذات کا وصف بن جاتا ہے اور پھر اُن مراقبات تک اُن کے رُوح کی رسائی ہوتی رہتی ہے اور بعض میں یہ وصف کمزور ہوتا ہے اور یوں ہوتا ہے کہ ایک دفعہ تو فنافی الرسول تک آپ اُس کو ساتھ لے گئے لیکن جب وہ علیحدہ اپنے طور پر ذکر کے لیے بیٹھتا ہے تو وہاں نہیں پہنچ پاتا۔ کیوں۔ وہ اس کی ذات کا وصف نہیں تھا۔ جس ذات کے ساتھ گیا تھا وہ ذات اُس سے علیحدہ ہوئی وہ وصف کٹ گیا۔

پھر تعمیرِ ذات سے اپنی محنت کے ساتھ استعداد پیدا کرے تب وہاں تک رسائی پیدا ہوگی۔

اسی طرح تمام کمالات باطنی کا معیار ہوتا ہے انسان کی اپنی ذات اور اُس کے ذاتی اوصاف پر اگر کسی بڑی سے بڑی ہستی کے ساتھ رہ کر وہ اس درجہ میں عمل کرتا رہے۔ ہم نے لوگوں کو اُن بزرگوں کے سامنے بھی نگاہوں سے اوجھل ہوتے دیکھا ہے۔

وقتِ رخصت عمل تو عمل رہا ایمان بھی نہ رہا۔ اُس کی وجہ بنیادی یہ تھی کہ انہوں نے جتنی محنت حصولِ کمال کے لیے کی وہ مرضیاتِ باری کے نفاذ کے لیے نہیں تھی بلکہ تعمیرِ ذات کے لیے تھی یعنی محنت بڑی کی مجاہدہ بڑا کیا لیکن اس سارے کا ماحصل اُن کے اپنے باطن میں اُن کے اپنے دل میں

یہ تھا کہ یہ سب کچھ کرنے کے بعد میں کچھ بن جاؤں گا۔ جب میں تک بات پہنچی تو اسے اللہ جانتا ہے۔ فرمایا اُن کا عذاب ہی یہ ہوتا ہے کہ اُن کا پول بھی کھل جاتا ہے۔ اور جس چیز کے لیے وہ منتظر ہوتے ہیں، اُس سے محروم بھی رہ جاتے ہیں۔ یہ دو عذاب دنیا میں دیکھ کر آخرت کے عذاب کی طرف لوٹا دیئے جاتے ہیں جن کی ابتدا موت سے ہوتی ہے اور جس کا فیصلہ میدانِ حشر میں ہوگا۔

تو میرے ناقص خیال میں یہ کسوٹی میرے اور آپ کے سب کے پاس ہے۔

لوگو ہم کچھ بھی نہیں۔ سب فضول محنت ہے۔ جو لوگ کرتے ہیں کہ لوگ مجھے بڑا طاقتور سمجھیں بڑا فاضل سمجھیں بڑا امیر سمجھیں بڑا رئیس سمجھیں کوئی کسی کو کچھ نہیں سمجھتا اور یہ خوب کان کھول کر سُن لو ہر شخص اپنے لیے وہی مقام چاہتا ہے، جس کے لیے میں اور آپ سرگرداں ہیں۔ جب میں چاہتا ہوں کہ لوگ مجھے بڑا چوہدری سمجھیں تو یہ سارے لوگ اپنی اپنی جگہ چاہتے ہیں کہ لوگ مجھے بڑا چوہدری سمجھیں پھر مجھے اور آپ کو کوئی کب سمجھے گا۔

لیکن ایک ذات ہے جسے سب کو ماننا پڑتا ہے وہ ہے ذاتِ باری اور ذاتِ باری کے حصول کا ذریعہ ہے ذاتِ پیامبرؐ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ذاتِ پیامبرؐ تک رسائی کا ذریعہ طالب کے لیے شیخ ہے۔ اسی لیے اہلِ تصوف نے یہ مدارج مقرر کر دیے ہیں کہ بنیاد ہی فنا فی الشیخ ہے۔ فنا فی الشیخ سے ترقی کر کے فنا فی الرسول ہوتا ہے اور فنا فی الرسول سے ترقی کر کے فنا فی اللہ ہوتا ہے اگر تو بنیاد اپنی ذات سے فنا کی نسبت ہے۔ شیخ کے سامنے بھی فنا پیامبرؐ کے سامنے بھی فنا۔ ذاتِ باری کے سامنے بھی فنا۔ اپنی اہمیت جتانے کا اُس کے سامنے کوئی ذریعہ کوئی موقع نہیں رہتا۔

اور یہاں پہنچ کر بھی کسی نے اس بات کو باور کرانا چاہا کہ میں بھی ہوں وہاں سے وہ بات کٹ جاتی ہے۔ خواہ ولی ہو شیخ ہو یا کوئی ہو۔ جب یہ ڈور کٹ جائے تو بات کھل جاتی ہے اور کبھی دنیا سے وہ آبرو یا وہ مقام لے کر نہیں جاتا۔ خداوندِ عالم ہم سب کو اپنی اِس گرفت سے محفوظ فرمائے۔ خلوص اور تڑپ دل سے اپنی طلب نصیب فرمائے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی غلامی نصیب فرمائے۔ آمین۔

# بادلوں کے درمیان

## حضرت المکرّم مُدّظلّہ العالی کا شمالی علاقہ جات کے لیے دورۂ تبلیغ

یکم صفر ۱۴۰۸ھ
۲۵ ستمبر ۱۹۸۷ء

رات اسلام آباد اجتماع تھا۔ میں ۴ بجے گھر سے نکلا اور بفضل اللہ ۶ بجے راولپنڈی تھا۔ احباب کے ساتھ سیدھے مسجد پہنچے۔ بیان اور ذکر سے فارغ ہو کر رات بٹ صاحب کے ہاں قیام رہا۔ اسی گھر میں حضرتؒ کا وصال ہُوا تھا۔ اسی کمرے میں جہاں مَیں ٹھہرا ہُوا تھا یہیں آپ کو غسل دیا گیا۔ ایک چھوٹا سا پودا تھا جسے غسل کا پانی لگایا گیا تھا۔ رات مَیں اسے دیکھ رہا تھا۔ آج تو وہ مکان سے سر نکالتا ہُوا دکھائی دے رہا تھا۔ وقت کتنی خاموشی سے رواں ہے۔ لاکھوں محبتوں اور کروڑوں یادوں کو اپنی باہنوں میں لیے بڑے حوصلے اور ایک خاص سکون کی کیفیت طاری کیے ہوئے ـــــ ورنہ کتنی یادوں کے ساتھ آہوں کے شعلے لپکتے ہیں اور کتنی اُداسیاں ہیں، ساتھ میں کتنی لغزشیں کبھی کبھی کسی کے ہلکے ہلکے قہقہے کچھ سرمستیاں اور کچھ خرمستیاں بھی کچھ بھولے بھالے لوگوں کی ناکام کوششیں جو وہ کسی کو بھلانے کے لیے کرتے ہیں۔ بہرحال آپ سکی یہ پوٹلی کھولتے جائیں گے

تو اس میں آپ کو کئی جہاں نظر آ سکتے ہیں مگر کیسی کو کھول کر دیکھنے بھی دے۔ اسے تو جلدی سے صرف اور صرف چلتے رہنا اس کا مقدر ہے۔ پھر یہ اتنا دور نکل جاتا ہے کہ آنکھیں تھک کر پھر جاتی ہیں، جوانی ڈھلتی ہے، چہرے پہ جھریاں لیے ہوئے لوگ اس کے پیچھے دوڑ رہے ہوتے ہیں۔ کبھی سر پہ سفید سی جھالر لیے ہوئے شیشے کی عینک کے ساتھ لاٹھی کا سہارا، یہ بزرگ بھی اسی کے پیچھے رفتاں وخیزاں چل رہے ہیں۔ اس کی گرد میں اس کے بچوں دوستوں اور بزرگوں کے چہرے گم ہوئے تھے مگر پیچھے آنے والوں کو چھوڑ کر لوگ خود گم ہو جاتے ہیں۔ خیر یہ تو بڑی بات نہیں دکھ اس بات پہ ہوتا ہے۔ کہ بند ہونے والے دلوں میں کتنی اور کیسی کیسی حسین یادیں بند ہو کر چلی جاتی ہیں۔ کتنی محبتیں دم توڑتی ہیں اور کیسے کیسے حسین چہرے جو دلوں میں بسانے کے لائق تھے گم ہو جاتے ہیں۔ ہاں اس کی ساری جزائیں مات کھا گئیں حسنِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سبحان اللہ جب بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکرِ خیر آتا ہے صدیوں کی گرد چھٹ جاتی ہے اور آپؐ کے حسن کے سورج چمکنے لگتے ہیں۔ پھر آج تک جس چہرے کو اس آفتابِ مہتاب کی کوئی کرن نصیب ہوئی وہ بھی آپؐ ہی کے گرد چمکتا نظر آتا ہے اور یوں فضا تاروں سے بھر جاتی ہے۔

خلفاءِ راشدین رضؓ صحابہ کبار رضؓ تابعین تبع تابعین اور اصحابِ سلاسل مشائخ عظام، جنہوں نے واقعی اسی سورج کی کرنیں لٹائی ہیں، وہ سب ستاروں کی بارات کی صورت میں نظر آتے ہیں۔ اسی منزل کا مسافر تھا ایک آدمی، اللہ کا ایک بندہ جس نے ایک عالم کے دلوں میں حسنِ مصطفےٰ کے انوار بکھیرے یہ میرے سامنے کھڑا ہوا پودا یہ گھر یہ اُن کی یاد دلا رہا ہے۔ اور یہ سینکڑوں افراد جو میرے گرد میرے پیچھے دیکھ رہے ہو یہ اسی حسن کے طالب ہیں جو ان سے اس عاجز کو عطا ہوا تھا۔

علی الصبح ذکر اور صلوٰۃ فجر سے فارغ ہو کر ہوائی اڈے کو لپکے۔ لپکے میں نے اس لیے لکھا ہے کہ پہلے جہاز کی روانگی کا وقت ۹ بجے صبح تھا۔ مگر رات پتہ چلا کہ آنجناب علی الصبح ۱۵-۶ پر قصدِ پرواز رکھتے ہیں جسے آنا ہو فوراً آئے ورنہ اُڑتے جہاز کو دیکھنا بھی نصیب نہیں ہوگا۔

عبدالجبار اور سرور صاحب نے فیصل آباد سے رات پہنچنا تھا نہ پہنچ سکے باقی ہم چار

مسافر تھے۔ میرے علاوہ کرنل مطلوب حسین صاحب ڈاکٹر عظمت اور راجہ محمد یوسف ۔ راجہ صاحب بزرگ ساتھی ہیں خاموش طبع نرم گفتار اور تیز نگاہ رکھنے والے مگر دنیاوی امور میں کبھی کبھی ٹھوکر کھا جاتے ہیں پتہ نہیں کیوں؟ شاید زیادہ توجہ آخرت پر رہتی ہوگی ورنہ تو کوئی وجہ نہیں ہو سکتی بہرحال جب ہم چیک ان کے مرحلوں سے گذر کر اندر پہنچے تو انہیں خیال آیا کہ اپنی سیٹ تو دیکھوں میرا بورڈنگ کارڈ دیکھا تو A ۱۰ لکھا تھا اپنا دیکھا اس پر ۱۰ پایا تو میں نے بتایا کہ B ۱۰ تو عظمت کے پاس ہے۔ جب ہم جہاز پر بیٹھنے جا رہے تھے تو پتہ چلا کہ عبدالجبار اور سرور پہنچ گئے ہیں۔ چنانچہ دوسری بس سے وہ بھی آ گئے۔ مگر عبدالجبار کے سر پر پٹی بندھی ہوئی تھی راستے میں کار ایک ٹرک سے ٹکرا گئی۔ دونوں گاڑیوں کا بہت نقصان ہوا اور ان کے سر پر سامنے کی طرف کوئی ۶ انچ لمبا زخم آیا مگر ذوقِ سفر میں کمی نہیں آئی۔ پنڈی پہنچ کر ٹانکے لگوائے اور پٹی کروانے کے بعد اب جہاز میں بیٹھنے جا رہے تھے۔ میں سیٹ پر پہنچا تو راجہ صاحب ساتھ تشریف فرما ہوئے ساتھ کرنل صاحب بیٹھ گئے۔ عظمت آیا تو سیٹیں پُر تھیں مگر راجہ صاحب والی سیٹ کا کارڈ تو اس کے پاس تھا۔ میں نے اشارہ کیا تو وہ ایئر ہوسٹس سے کہنے لگا میری سیٹ؟ اس نے راجہ صاحب کا معصوم سا چہرہ دیکھا اور کہا نہیں ہے آپ اِدھر بیٹھ جائیں مگر وہ کب ماننے والے تھے انگریزی پہ اُتر آئے I WANT MY SEAT سو اس غریب کو راجہ صاحب سے انگریزی میں ہی کہنا پڑا EXCUSEME SIR اور یوں یہ سر ہمارے سر سے اُتر ے۔ اور سیٹ عظمت کے حوالے کر گئے۔ لیکن قسمت کے کھیل بھی نرالے ہوتے ہیں اور انسانوں کے مزاج بھی کہ راجہ صاحب سامنے والی سیٹ پر کھڑکی کے پاس جا بیٹھے۔ یہ اُن کی دوسری غلطی تھی اور عظمت کو موذی کیمرہ مل گیا وہ پھر ان کے تعاقب میں تھا کہ مجھے باہر کی تصویریں بنانا ہیں۔ سو وہاں سے بھی اُٹھا دیا۔ اِدھر سرور صاحب بیٹھ چکے تھے چنانچہ راجہ صاحب نے آرام سے درمیان میں بیٹھ کر چائے پی اور یہ ان کی خوش قسمتی تھی۔ باہر تو کچھ نظر نہیں آ رہا تھا لہٰذا ان کی پوری توجہ چائے پر مبذول تھی۔

جہاز ایئر پورٹ سے اُڑا تو اسلام آباد کے اُوپر سے گذرا۔ صبح کے دُھندلکے میں اس پہاڑی پر سے گذرا جو اسلام آباد کے سامنے

فصیل کی طرح سینہ تانے کھڑی ہے۔ ایک بار میں موڑ لے کر اس کے بہت اوپر تک گیا تھا مگر دوسری طرف نہیں جھانک سکا تھا۔ بلکہ انتہائی بلندی سے پھر اسلام آباد ہی کو دیکھتا رہا۔ آج جب جہاز اس کے اوپر سے گذرا تو پیچھے ایک خوبصورت وادی نظر آئی، جس سے آگے پھر دوسرا پہاڑ تھا اور درمیان میں بستیاں اور گاؤں یوں نظر آتے تھے جیسے دل کے پردوں میں حسین یادیں بسی ہوں۔ جہاز کا راستہ ایبٹ آباد، مانسہرہ اور وادیٔ کاغان تھا۔ سیف الملوک جھیل کے اُوپر سے گذرا اور چلاس سے وادیٔ سندھ میں داخل ہوگیا۔ اگر بادل تھے مگر یہاں وہاں برش پوش چوٹیاں بھی نظر آرہی تھیں۔ نانگا پربت کے پاس سے گذرا تو اس کی بلندیوں کا حسن بکھرا پڑا تھا۔ جسے گرفت میں لینے کے لیے عظمت کیمرے کو گھما گھما کر سین لے رہا تھا۔ پھر جہاز ذرا دائیں کو مڑا تو راکاپوشی جو گلگت اور ہنزہ کے درمیان بلند چوٹی ہے، نظر آئی۔ نظر آنے کو تو K2 تک نظر آتی ہے مگر بادل ان چوٹیوں پہ پردوں کی طرح جمع تھے اور حسنِ فطرت کو چھپانے کی کوشش میں ایک اور خوبصورت منظر پیش کر رہے تھے — اور پھر وادیٔ سکردو نظر آئی جو غالباً اس پہاڑی علاقہ میں سب سے کھلی وادی ہے۔ جہاز نے چکر لگا کر غوطہ کھایا اور ہم زمین پر تھے — جہاں چاروں طرف بلند پہاڑ سینہ تانے کھڑے تھے۔ احباب ہوائی اڈہ پر جمع تھے۔ ملاقات کے بعد شہر کو چلے تو ایک جلوس تھا جس کی قیادت موٹر سائیکل سوار کر رہے تھے۔ غالباً عظمت نے اسے بھی کیمرے ہی کی آنکھ سے دیکھا — اللہ کی شان دو دن کا سفر جہاز نے پچاس منٹوں میں سمیٹ لیا اور جب ہم مکان پہ پہنچ کر ناشتہ کر رہے تھے جہاز واپسی کے لیے ٹیک آف کر چکا تھا۔

نماز جمعہ مرکزی جامع مسجد میں ادا کی۔ پون گھنٹہ بیان ہوا۔ خوبصورت مسجد نمازیوں سے بھری ہوئی تھی۔ بعدہٗ ذکر کی محفل ہوئی اور یوں تین بجے فارغ ہو کر صبح کا کھانا کھایا۔ عبدالجبار صاحب کو کافی چوٹ آئی ہے ان کا علاج شروع ہے۔ جسم میں نقاہت ہے مگر ارادہ مضبوط۔ چہرہ پیلا سا لگتا ہے مگر اس کے باوجود بات مسکرا کر کرتے ہیں —

اب کچھ سکردو کے بارے میں —

تو یہ ایک کھلی خوبصورت وادی ہے۔ دریائے سندھ کے کنارے چھوٹا سا خوبصورت شہر ہے۔ پرانا بازار تنگ سا ہے مگر نیا بازار کافی کشادہ ہے۔ نئے مکان اور سڑکیں بہت مضبوط اور اچھے ہیں۔ یہ ضلعی صدر مقام ہے۔ ضلع بھر کی آبادی تقریباً تین لاکھ کے لگ بھگ ہوگی جس کا ساٹھ فی صد حصہ شیعہ ہے اور تقریباً تیس فیصد نوربخشی ہیں۔ یہ اہلِ سنّت ہی کا ایک طبقہ ہے جنہیں کسی صوفی بزرگ سے نسبت ہے مرورِ زمانہ سے حقائق تو ضائع ہوگئے اب رسومات کو نبھا رہے ہیں۔ ان میں سے بھی کچھ لوگ نوربخشی امامیہ کہلاتے ہیں جو تقریباً شیعہ ہی شمار کیے جاسکتے ہیں۔ باقی دس فی صد اہلِ سنّت مقلّد اور غیر مقلّد حضرات ہیں۔ علماء اکثر دیوبند سے فارغ التحصیل ہیں۔ مدارس کی تنظیم ہے جو بہت بھلا کام ہے اور اس کے طفیل دینی مدارس اچھا کام کر رہے ہیں۔

یہاں شیعہ حضرات کا کردار کافی دلچسپ ہے آپ بھی سُنیں اور عقل انسانی کی کرشمہ سازیاں دیکھیں شہر کے ایک طرف پہاڑی کے ساتھ چار دیواری ہے۔ اس کے اندر کی جگہ کو کربلا کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ سال بھر ماتم وغیرہ جاری رہتا ہے۔ سال میں ۷۰ دن تو سرکاری چھٹیاں ہیں کہ ماتمی جلوسوں میں شرکت کے لیے سٹاف کو جانا ہوتا ہے تو سب دفاتر بند ہوتے ہیں اور ویسے بھی عموماً سارا سال یہ پروگرام چلتا رہتا ہے۔ سرِ شام ذاکر حضرات اور شیعہ علماء تقاریر شروع کر دیتے ہیں۔ پھر کچھ دیر ماتم ہوتا ہے جلوس بنتے ہیں اور چارپائیوں پر نذرانے کی مٹھائی چادر کے نیچے رکھ کر لے جائی جاتی ہے۔ کربلا پہنچ کر سب مل ملا کر کھا لیتے ہیں اور یوں رات گئے واپسی ہوتی ہے۔

محرّم سے مہینہ بھر پہلے ان امور میں شدّت آجاتی ہے۔ عشرہ محرّم کو کربلا میں خیمے نصب کیے جاتے ہیں اور مردوں کو زنانہ لباس پہنا کر ان میں بٹھا دیا جاتا ہے۔ خیال یہ کیا جاتا ہے کہ یہ خاندانِ رسالتؐ کی مستورات ہیں۔ پھر مختلف امام باڑوں سے جلوس چارپائیاں اُٹھا کر سینہ کوبی کرتے ہوئے مرکزی امام باڑے میں جمع ہوتے ہیں جہاں سے سب مل کر کربلا کو جاتے ہیں۔ کچھ لوگ یزیدی فوج کا کردار ادا کرتے ہیں خیموں پر حملہ آور ہوتے ہیں۔ انہیں گراتے ہیں پھاڑتے، چوبیں توڑتے اور مفروضہ مستورات کو دھکے وغیرہ دیتے ہیں جبکہ دوسرے شدّتِ غم سے ماتم کناں اور نوحہ خواں ہوتے ہیں۔ پھر سب مل کر واپس مرکزی امام باڑے میں آتے ہیں جہاں ان لوگوں سے معذرت کی جاتی ہے،

جو اہلِ سنت ساتھ ہوتے ہیں اور انہیں رخصت کر دیا جاتا ہے۔ شیعہ مرد اور خواتین اندر چلے جاتے ہیں۔ جہاں روشنی گُل ہوتی ہے اور رات کی سیاہ چادر شامِ غریباں کی آخری رسومات کو اپنی تاریکی کا پردہ مہیا کرتی ہے۔

اسی طرح ان کی شادی کی رسم بھی دلچسپ ہے کہ چند چارپائیوں پر تحائف رکھ کر ماتم کناں رات کے وقت دلہن کے گھر جاتے ہیں اور رسوماتِ نکاح جو وہ اپنی طرز پر ادا کرتے ہیں سے فارغ ہو کر دلہن کو چارپائی پہ اُٹھا کر سینہ کوبی اور نوحہ خوانی کرتے ہوئے واپس پہنچتے ہیں۔

—— بہر حال ان سب امور کے ساتھ تبلیغِ دین کا کام بھی جاری ہے۔ تبلیغی جماعت کے احباب بھی اور مدارس مساجد بھی مصروفِ کار ہیں جن میں اب سلسلۂ عالیہ کے احباب کا حصہ بھی قابلِ قدر ہے۔ اللہ کریم سب لوگوں کو ہدایت پر جمع فرمائے۔ آمین۔

بہت سی تاریخی باتیں لوگوں کے سینوں میں محفوظ ہیں۔ ایک آپ بھی سُن لیں۔ یہاں سے آگے تقریباً ۶۰ میل کے فاصلے پر دریائے سندھ کے ایک معاون دریا کے کنارے ایک بستی غرسئے نامی آباد تھی جہاں کے باغات اور سیب اپنی ایک خاص شہرت رکھتے تھے۔ درمیان میں دریا تھا۔ جس کا پاٹ ۱۰۰ فٹ کے قریب تھا۔ لوگ ایک کنارے دوسرے کنارے کھڑے ہوتے آدمی کو سیب پھینک دیا کرتے تھے۔ شومئی قسمت سے لوگوں میں رفض و تشیعہ پھیل گیا اور سبِّ صحابہ کی قبیحہ رسم جاری ہو گئی کہ ایک درویش کہیں سے آنکلا۔ جس نے انہیں اس ظلم سے باز آنے کی تلقین شروع کی مگر کسی نے ایک نہ سُنی۔ ایک سال گذرا۔ دوسرا سال گذرا اور پھر تیسرے سال دریا میں سیلاب آیا جس کی غضبناک موجیں سب کچھ نگل گئیں۔ باغوں سمیت ساری بستی دریا کی لہروں کی لپیٹ میں آگئی —— اب وہاں صرف دریا ہے جس کا پاٹ وہاں ۲۵۰۰ فٹ چوڑا ہے۔ کبھی ایک کنارے کے ساتھ بہتا ہے اور کبھی دوسرے کنارے کے ساتھ —— یا پھر قصۂ ماضی ہے جو شاید آہستہ آہستہ زمانے کی گرد میں دب جائے۔ ایسے بے شمار واقعات یہاں لوگ اپنے ساتھ قبر میں لے جاتے ہیں۔

آبادی پہلے تو بہت غریب تھی لوگوں کے چہرے دُبلے پتلے اور رنگ جلے ہوئے سیاہی مائل ہُوا کرتے تھے جو اب بھی نظر آتے ہیں مگر اب اکثریت مالدار ہو چکی ہے۔ ذریعہ آمدن حکومت کا خزانہ ہے جسے مختلف حیلوں بہانوں سے اور ترقیاتی سکیموں کے نام سے لوگوں میں لٹایا

جاتا ہے۔ شمالی علاقہ جات کے منتظم اعلیٰ وہی پالیسی اپناتے ہیں جو قبائلی علاقہ کے لوگوں کو رام کرنے کے لیے اپنائی گئی ہے کہ جو شکایت کے لیے منہ کھولے اس کا منہ نوٹوں سے بند کر دو۔ اب لوگوں کی رنگت سرخی مائل ہوتی جا رہی ہے۔ گھر پکے اور سواری کو موٹریں اور زندگی کی دوسری آسائشیں بڑھتی، پھیلتی جا رہی ہیں۔ دینی اور قومی شعور بیدار کرنے کی بجائے انسانوں کو خریدنے کی یہ پالیسی اپنے نتائج و عواقب کے اعتبار سے بہت خطرناک ثابت ہو سکتی ہے۔ اللہ کریم ہمارے ارباب بست و کشاد کو صحیح وقت پر درست فیصلے کرنے کی توفیق بخشے۔

۲۶ ستمبر ۱۹۸۷ء
مطابق ۱۲ صفر ۱۴۰۷ھ

آج صبح سدپارہ جھیل پر گئے جو سکردو سے بارہ میل کے فاصلہ پر ایک خوبصورت وادی میں ہے۔ جھیل کا پانی شفاف اور گہرائی اڑھائی سو فٹ سے زیادہ ہے دنیا کی مشہور ترین ٹراؤٹ مچھلی پائی جاتی ہے درمیان ایک چھوٹی سی پہاڑی جزیرہ بنائے کھڑی ہے ہم کشتی میں بیٹھ کر اس تک گئے اور وہاں کانٹے ڈال کر مچھلی پکڑنے کی کوشش کرتے رہے۔ دوپہر تک ۱۲ مچھلیاں شکار کیں جو دوپہر کے کھانے میں ہی تل کر آ گئیں پچھلے پہر پھر گئے اور کچھ مچھلیاں پکڑیں۔ مغرب کے بعد بازار کی مرکزی مسجد میں بیان اور محفل ذکر ہوئی جس کے بہت اچھے نتائج سامنے آئے بحمد اللہ علماء کی اکثریت اس میں شریک تھی اور یہ ایک نیک فال ہے بیان بھی ضرورتِ ذکر پر تھا پھر ایک دوست کے ہاں کھانا تھا جس کے دوران بہت ہی مفید بات چیت ہوئی۔

جھیل کے پار وادی کے سرے پر سدپارہ گاؤں ہے جو بہت پرانا ہے تقریباً ۲۰۰ گھروں کی آبادی ہے جو سب شیعہ ہیں اور یہ تحفہ انہیں وراثت میں ملا ہے جس کے حسن و قبح کو وہ نہیں جانتے یہ معلومات ہمیں اس گیم واچر نے دیں جو ہمیں چیک کرنے جھیل پر پہنچا تو سرور صاحب نے اسے بٹھا کر انٹرویو کرنا شروع کر دیا خاکی وردی میں یہ ان پڑھ دیہاتی بڑا بھولا بھالا اور شریف آدمی تھا جس غریب کو شیعیت تو وراثت میں ملی اور زندگی بھر کسی نے اس کے حسن و قبح کے بارے میں بتایا۔ سرور صاحب کے سوالوں کے جواب میں اس نے بتایا کہ یہاں ۹۰۰۰ فٹ سے زیادہ بلندی ہے گاؤں کے گرد پہاڑوں پہ ابھی پرانی برف باقی ہے جبکہ نئی برفباری شروع ہو چکی ہے جو اگلے مہینے تک نیچے بھی

آجائے گی۔ لوگ اس وقت کے لیے راشن اور ضروریات کی اشیا ذخیرہ کر رہے ہیں جو وہ آخر فروری اور شروع مارچ تک اندر بند ہو کر کھاتے رہیں گے کہ برفباری کے موسم میں تو سکردو تک بھی جانا محال ہوتا ہے راستہ برف سے اٹ جاتے ہیں پھر جو بلند قامت پہاڑوں سے پھسل کر آتی ہے وہ بہت خطرناک ہوتی ہے۔ مقامی لوگ صرف بلتی زبان سمجھتے ہیں کم لوگ اردو سمجھ سکتے ہیں پرائمری سکول سے جس کی کلاسیں کھلے آسمان تلے وادی کے روڑوں پہ لگتی ہیں۔ سردیوں میں مجبوراً بند کر دیا جاتا ہے اس کی باتیں سن کر شدت سے احساس ہوا کہ ہمیں یہ علاقائی زبانیں سیکھنی چاہئیں اور ان دور افتادہ بسنے والے لوگوں کی مدد کرنا چاہیے کہ یہ ہدایت پا سکیں۔ تقریباً ہر وادی ہر نالے میں ایسے گاؤں آباد ہیں۔

آج یہاں قیام کی دوسری اور آخری رات ہے۔ صبح ان شاء اللہ گلگت کے لیے روانہ ہوں گے اور باقی باتیں وہاں جا کر ہی ہوں گی — ہاں یاد آیا یہاں سردیوں میں درجۂ حرارت منفی پچیس سے تیس تک رہتا ہے حتیٰ کہ درخت تک سردی سے چٹخ جاتے ہیں۔ یہیں سے راستہ سیاچین کے مشہور گلیشیئر کو جاتا ہے جہاں درجۂ حرارت سردیوں میں ۴۵ سے ۵۰ تک گر جاتا ہے۔ یہاں سے گومل پونے دو سو میل کے لگ بھگ ہے۔ جہاں تک جیپ جاتی ہے وہ بھی چٹانوں سے رگڑ کھاتی ہوئی دوسری طرف دریا ہے اور کم از کم آٹھ گھنٹے راستے میں لگ جاتے ہیں۔ پھر وہاں سے آپ سیاچین پہ چڑھنا شروع کرتے ہیں جس کی بلندی ۱۰۰۰ سے لے کر ۲۲۰۰ فٹ تک ہے۔ نیز بارڈر کی مختلف پوسٹوں کو بھی راستے یہیں سے جاتے ہیں۔ ان چوکیوں پر ایک برفانی ہوا چلتی ہے جو بہت تیز ہوتی ہے اور اس میں برف کے ذرات ہوتے ہیں۔ جو دن میں بھی اس قدر گہری ہوتی ہے کہ آدمی کو اپنا ہاتھ تک نظر نہیں آتا اور اگر رک جائے تو تھوڑے وقت میں دفن ہو جاتا ہے برف اس سے اوپر تک نکل جاتی ہے۔ ایک دوست بتا رہے تھے کہ مجھے اس ہوا میں.. اگز چلنے کے لیے چار گھنٹے جدوجہد کرنا پڑی۔ دوسرا خطرہ برف میں پڑی ہوئی وہ دراڑیں ہیں جو اوپر سے ڈھک جاتی ہیں مگر سطح کمزور رہتی ہے۔ آدمی کا پاؤں پڑے تو نیچے چلا جاتا ہے، سینکڑوں فٹ نیچے جہاں

سے وہ روزِ محشر اُٹھے گا۔ سوا ایسی سطح پر بیس بیس پچیس پچیس آدمی ایک دوسرے کو رسّے سے باندھ کر چلتے ہیں کہ کوئی ایک گرنے لگے تو دوسرے کھینچ لیں۔ فوجی جوانوں کے حوصلے ہیں کہ ان مقامات پر بھی مادرِ وطن کا حق ادا کر رہے ہیں۔

**۲۷ ستمبر ۱۹۸۶ء**
**مطابق ۳ صفر ۱۴۰۷ھ**

صبح ناشتے کے بعد کوئی نو بجے کے قریب گلگت کے لیے روانہ ہوئے۔ پروگرام تھا کہ کھانا راستے میں کھائیں گے اور اس بار آرام سے چلیں گے۔ پہلے ایک بار جیپ سے اِس راستہ سے گذرے تھے سنگل روڈ ہے اور گاڑی گذارنے کے لیے جگہ دیکھنا پڑتی ہے ورنہ ہر جگہ سے دوسری گاڑی ساتھ سے گذر نہیں سکتی بہت بلند پہاڑ ہیں درمیان میں تنگ وادی ہے جس میں دریائے سندھ بہتا ہے سڑک دریا کے ساتھ ساتھ چلتی ہے اور جگلوٹ کے مقام پر آکر شاہراہ ریشم سے مل جاتی۔ یہاں سے گلگت تقریباً ۲۴ میل آگے ہے سڑک سے گرنے والی گاڑی کو دریا تک کوئی رکاوٹ نہیں دریا کا پاٹ تنگ اور بہاؤ بہت تیز ہے چنانچہ گرنے والوں کا صرف سڑک پر سے اظہار افسوس کیا جا سکتا ہے یا پھر ایصالِ ثواب گاڑی سمیت کسی شے کے ملنے کی امید نہیں ہوتی پہاڑ اس قدر بلند ہیں کہ چوٹیوں پر اب برفباری شروع ہو چکی ہے۔ یہاں پورے علاقے میں مارخور (اڑیال کی ایک قسم) ہوتے ہیں جو قد میں تو اڑیال سے کسی قدر کم مگر جسامت میں چار گنا بھاری ہوتے ہیں بہت بڑے بڑے خوبصورت سینگ ہوتے ہیں اور جسم پر لمبے اور موٹے بال پہاڑ کی مشکل جگہوں پہ ملتے ہیں عموماً برف کے ساتھ ساتھ رہتے ہیں جوں جوں برف نیچے آئے گی یہ بھی نیچے آتے جائیں گے حتیٰ کہ سڑک سے نہ صرف نظر آتے ہیں بلکہ شکار کیے جاتے ہیں۔ مگر شکار پر سخت پابندی ہے۔ ایک دن کے لیے لائسنس ملتا ہے جس کی فیس ۴ ہزار روپے ہے اور غیر ملکی کے لیے تیس ہزار روپے اگر مار لیا تو بہتر ورنہ وہ از خود منسوخ تصور ہوتا ہے اور بغیر اجازت شکار کرنے کی صورت میں ۷۵۰۰/- پچھتر ہزار تک جرمانہ یا سات برس تک قید دی جا سکتی ہے مگر ڈرنے کی ضرورت نہیں۔ کہ لوگ اکثر شکار کرتے ہیں بس ذرا نگاہ یار سے بچ کر اس کے علاوہ مارکو پولو شیپ — MARCOPOLO SHEEP نامی ایک جنگلی بھیڑ ہوتی ہے جو برف میں رہتی ہے اور بہت

بڑی بڑی بھی ہوتی ہیں۔ رہتی بھی ریوڑوں کی صورت میں ہیں ان کے سینگ ہمارے ہاں کی بھینس کی طرح ہوتے ہیں چکور پالے جاتے ہیں جن کی ایک قسم رام چکور ہے جو تقریباً پانچ چھ کلو وزنی ہوتا ہے اور برف میں رہتا ہے دوسرا عام چکور ہے نیچے مل جاتا ہے درندوں میں برفانی بھیڑیا اور برفانی چیتا پایا جاتا ہے جنگلی بکرے بھی ملتے ہیں جن میں پانچ من سے لے کر آٹھ من تک گوشت ہوتا ہے دم گھوڑے کا جسم پر خوبصورت پشم کے ساتھ ولائتی بیل کی شکل کا ہوتا ہے۔ ان کے علاوہ کسی طرح کی معلومات نہیں مل سکیں۔ مچھلی کا ذکر پہلے ہو گیا اور مرغابی ہر نسل کی یہاں بسیرا کرتی ہے۔ جھیلیں بھر جاتی ہیں

اب ذرا مار خور کا قصہ بھی سنتے چلیں۔

یہ جنگلی بکرا سانپ کو کھا لیتا ہے۔ ویسے تو جھاڑیوں کے پتے اور گھاس جڑی بوٹیاں وغیرہ اس کی غذا ہیں مگر ہر مار خور دو تین ماہ میں ایک آدھ سانپ ضرور کھاتا ہے ورنہ اس کے بدن میں خارش پیدا ہو جاتی ہے۔ سانپ کو باقاعدہ تلاش کر کے شکار کرتا ہے۔ اگر کہیں قریب ہو تو یہ اس کی بُو پا لیتا ہے۔ سانپ بھی اس کی بُو سے بھاگتا ہے۔ اگر کسی بِل میں یا پتھروں میں گھس جائے تو جب مار خور وہاں سُونگھتا ہُوا پہنچتا ہے تو بِل میں بھی اس کی سانس کی بُو چلی جاتی ہے اور سانپ گھبرا کر باہر آ جاتا ہے۔ جسے لوگ کہتے ہیں کہ یہ بِل پر منہ رکھ کر باہر کھینچ لیتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ بُو سے گھبرا کر باہر آ جاتا ہے۔ اب مقابلہ شروع ہوتا ہے۔ جو عموماً سانپ کی موت پہ ختم ہوتا ہے لیکن کبھی کبھی مار خور بھی اس کا نشانہ بن جاتا ہے۔ بہرحال یہ زندگی اور موت کی جنگ ہوتی ہے جو ایک فریق کی موت پہ ہی ختم ہوتی ہے۔ سانپ اس پر جھپٹتا ہے تو یہ چھلانگ لگا کر خود کو بچاتا ہے۔ سانپ بھاگنے کی کوشش کرتا ہے تو یہ اس کے پیچھے چھلانگ لگاتا ہے اگر اس کا نشانہ خطا جائے تو وہ پھر جھپٹتا ہے — مار خور کی کوشش ہوتی ہے کہ اس کے سم سانپ پر پڑ جائیں جن سے وہ کچلا جاتا ہے۔ پھر یہ اس پر کود کود کر اسے حرکت کے قابل نہیں چھوڑتا۔ اب مزے سے دُم کی طرف سے کھانا شروع کرتا ہے اور جب سر کے قریب پہنچتا ہے تو کاٹ کر پھینک دیتا ہے۔ پھر یہ وادیوں میں اِدھر اُدھر بھاگتا ہے۔ ایک خاص قسم کی گھاس تلاش کر کے کھاتا ہے

اور چست ہو جاتا ہے پھر کہیں آرام سے بیٹھ کر جگالی شروع کرتا ہے۔ تب اس کے منہ سے جو جھاگ گر گر کر جم جاتا ہے اسے سانپ کا منکا کہا جاتا ہے۔ جس کی خصوصیت یہ ہے کہ سانپ کاٹے کا زخم پر رکھ دو تو زہر چوس لیتا ہے۔ پھر گرم پانی سے دھو کر خشک کر لیں۔ بس مریض بھلا چنگا ہو جاتا ہے۔ عموماً مداری نقلی بنا کر بیچتے پھرتے ہوتے ہیں اصلی تلاش کرنا آسان کام نہیں ـــ دو سال پہلے میں نے دو مارخور شکار کیے تھے اس کا شکار ایک الگ داستان ہے جس کی یہاں گنجائش نہیں ـــ ہاں ایک بات ضرور بتانا چاہوں گا کہ مارخور میں جو خوشبو تھی ایسی خوشبو آج تک میں نے کہیں اور نہیں پائی نہ کسی پھول میں نہ عطر میں اور نہ کسی بھی قسم کے پرفیوم میں ـــ بہت ہی خوبصورت بھینی بھینی ہونے کے باوجود اتنی متاثر کن اور مسحور کن کہ مثال دینا مشکل ہے اور پھر جیپ سے سو سو گز دور تک پھیلی ہوئی تھی جبکہ مارخور جیپ میں لدے ہوئے تھے۔

اب سنیئے ہمارے سفر کی روئیداد تو ہم جب روانہ ہونے لگے تو ایک گاڑی وہیں چھوڑ دی کہ دوپہر کا کھانا لے کر آئے گی اور راستے میں ہم سے آملے گی سو ہم تھوڑے تھوڑے فاصلے رکھتے اور موڈی کیمرہ سے خوبصورت مناظر کو کیسٹ کے فیتہ پر منتقل کرتے رہے۔ کہیں دریا کا غضب قابلِ دید تھا کہ پہاڑوں نے پتھر پھینک کر اس کا راستہ روکنے کی کوشش کی تھی اور کہیں نئی پڑی ہوئی برف سے ڈھکی چوٹیاں اور ان سے لپٹتے ہوئے بادل تو دل کھینچ لیتے تھے۔ یوں چوٹیوں کو بانہوں میں لیے ہوئے یوں نظر آتے تھے جیسے مدتوں کے بچھڑے محبوب سے گلے مل رہے ہوں ـــ اور یہ غالباً گرمیوں کے اختتام پر واقعی ان کی پہلی ملاقات تھی ـــ سو ہم بڑی دیر مختلف مقامات پر رک رک کر ان کی تصاویر بھی لیتے رہے اور لطفِ نظارہ بھی حاصل کرتے رہے مگر وقت کب کسی کو ایک حال پہ برداشت کرتا ہے۔

## ۲۸ ستمبر

وہی ہمارے ساتھ بھی ہوا۔ پہاڑی سفر بھی تھا۔ صاف ستھری ہوا اور صحت بخش فضا تھی۔ جس کا اثر یہ ہوا کہ بھوک لگنے لگی اور یہ بھوک ایسی کمبخت ہے کہ سارے بخار اتار دیتی ہے تب ہی تو شاعر نے کہا تھا ـــ

چناں قحط سالے شد اندر دمشق
کہ یاراں فراموش کردند عشق

ہمیں آج اس کے معنی کا ادراک ہو رہا تھا۔ پہلے جن مناظر کو دیکھ کر کہتے تھے بہت خوبصورت ہے اب ایسے ہی مناظر پہ ہمارے رائے تھی ہاں اچھے ہیں۔ گھڑی دیکھی تو سوئیاں بارہ کے ہندسے پر ایک دوسری سے گلے ملنے کو تھیں۔ اس سے بھوک اور تیز ہوئی چنانچہ اب مناظر کی جگہ ہم پیچھے سڑک کو زیادہ دیکھتے کہ کب وہ گاڑی نظر آئے جسے ہمارا دوپہر کا کھانا لے کر آنا تھا۔ راستے میں آبادیوں کے نام بھی عجیب سے ہیں گر، بیداس، دسیرداس اور کچھ اسی طرح کے حتیٰ کہ ہم تریکو پہنچے یہاں ہوٹل نام کا ایک فرسودہ سا مکان تھا جس کی کل کائنات چند چار پائیاں جن پر میلے بستروں کا گٹھڑ اور سامنے سایہ دار درختوں میں تنا ہوا ترپال جس کے نیچے تین ٹوٹی پھوٹی چار پائیاں پڑی تھیں۔ گاڑی رکی چشمے کا ٹھنڈا پانی پیا۔ چار پائی میں لیٹے کہ وہاں چار پائی پر لیٹنے کا کوئی تصور نہ تھا۔ آپ لیٹے اور جھول گئے۔ سو بڑی حسرت سے کہا ہے

نہ آئی وہ گاڑی ابھی تک نہ آئی
جسے ہم نے چھوڑا تھا وادی سے پہلے

اب ہوٹل پر کچھ کھانا ڈھونڈا تو اس نرالے ہوٹل کی ادائیں بھی نرالی تھیں کہ گلگت بلتستان نے سکردو ہوٹل تریکو لکھا ہوا تھا۔ اور کھانے کو چند کھیرے کسی گاہک کے منتظر تھے اور بس نہ آگ نہ دھواں نہ چائے نہ روٹی — بھئی واہ کیا بات ہے۔ کھیرے خریدے چھیلے کاٹے نمک لگایا اور بڑے مزے سے کھائے اور کہا ہے

تریکو کے کھیروں میں وہ چاشنی ہے
جو ان کے لبوں میں تھی شادی سے پہلے

اور واقعی بڑے جوسی تھے کہ سرور صاحب نے کاٹے تو رس ان کے ہاتھوں پر سے بہہ رہا تھا۔ ان کا الٹا اثر ہوا۔ بھوک اور بڑھی ہم وہاں سے بھی چل دیئے۔ ہوٹل کے سامنے ایک ٹرک کھڑا تھا جس کے پیچھے پانچ چھ بھینسیں بندھی ہوئی خشک گھاس کھا رہی تھیں۔ یہاں بھینس اس طرح ناپید ہے جیسے بنگال میں اونٹ — پتہ نہیں یہ قسمت کی ماری کہاں پھنسی ہوئی تھیں۔ شاید کوئی لوگ گھروں میں رکھتے ہوں اور یہ کوئی بیوپاری نفع کمانے کی غرض سے پنجاب سے لا رہا ہوگا۔ وہ کبھی سرسبز گھاس دیکھتیں جو پہاڑ پر تھی اور کبھی بہتے پانی کو جو نیچے دریا میں ان دونوں ان کی پہنچ سے باہر تھے۔ چنانچہ اسی خشک گھاس پہ لوٹ پڑتیں۔ جو سامنے بچھی ہوئی تھی۔ ہم وہاں سے چند ہی میل آگے جا کر رکے تو عنابی رنگ کی کار پیچھے سے آتی نظر پڑی۔ بس پھر کیا تھا

خوشی کی ایک لہر دوڑ گئی۔ جیسے کسی محاذ سے فتح کی خبر آئی ہو۔ آنے والوں کا پُرتپاک خیر مقدم کیا اور اب کسی ایسی جگہ کی تلاش تھی جہاں بیٹھ کے کھانا کھایا جائے چنانچہ پھر چل پڑے۔ راستے میں ایک نالے کے پُل پر کچھ مکان سے ڈبوں کی طرح جن کے سامنے ایک آدھ چھکڑا کھڑا تھا۔ اور لوگ اپنے اس کھانے کی ضیافت اُڑا رہے تھے جو وہ ساتھ لائے تھے۔ ہم نے فیصلہ کیا کہ ہمیں تو پکنک لنچ کرنا ہے لہٰذا چلتے رہے کہ سڑک پر ایک خوبصورت آبشار آگئی۔ جگہ بھی کھلی تھی اور غالباً دو سو فٹ کی بلندی سے چٹان کے کنارے سے پانی نمودار ہوتا قطروں میں بٹ جاتا اور پھر ایک دوسرے سے ملنے کی کوشش میں وہ قطرے اس طرح لپکتے کہ جھالری بن نیچے تک آتے۔ جہاں انہیں پھر سے ایک دوسرے میں مدغم ہونا نصیب ہوتا۔ اور پھر پانی کی نالی بھر کر بہنے لگتی۔ ہمیں یہ ملتے بچھڑتے اور بچھڑ کر ملتے قطروں کا منظر بہت ہی پسند آیا۔ دیکھا تو نیچے چھوٹا سا تھڑا سا بنا ہوا ہے اور اس پر خشک گھاس بچھی تھی نہایت خوشبو دار شاید فوجیوں نے مسجد کے طور پر بنایا۔ چنانچہ وہیں بیٹھ کر کھانا کھایا۔ بھُنے ہوئے مُرغ اور ساتھ پراٹھے۔ سکردو کے سیب اور گرم گرم چائے۔ اللہ کریم کا شکر ادا کیا۔ ورنہ عظمت کہا کرتے تھے کہ پراٹھا چوبیس گھنٹے بعد نصیب ہوتا اور آج تو صبح سے دوسری دفعہ حاضر تھا۔ اسی جگہ نماز پڑھی اور چل دیئے۔ اب پیٹ اتنا بھر چکا تھا کہ ایک آدھ بار ہم پانی پینے کے لیے رُکے ورنہ ڈرائیور کے علاوہ سب لوگ اونگھتے رہے اور اس سے زیادہ کچھ کر بھی نہیں سکتے تھے۔ سڑک کا رویہ سونے میں پوری شدت سے مانع تھا۔ ہم صبح ۹ بجے کے چلے ہوئے کوئی ۴ بجے کے قریب جگلوٹ پہنچے جہاں ساتھی ایک بجے سے انتظار کر رہے تھے کہ پہلے ایک بار میں سکردو سے جیپ کے ذریعے ۴½ گھنٹے میں گلگت پہنچا تھا جو غالباً ایک ریکارڈ ہے لیکن اب کے تو ہم فطرت کے حسین نظاروں سے لطف اندوز ہوتے ہوئے آئے جو بعد میں کچھ بھوک نے بے لطفی پیدا کی اور کچھ شکم سیری نے اور یوں پتہ چلا کہ حسن سے لطف اندوز ہونے کے لیے پیٹ کو ایک خاص حد تک بھرا ہوا ہونا چاہیئے۔ خالی پیٹ تو یکسر محبت کے اہل نہیں رہتا اور زیادہ بھر جائے تو بھی صرف سونے کو لپکتا ہے۔ زندگی کے ان حقائق کو سمیٹتے ہوئے ہم نے عصر گلگت

آکر پڑھی۔ یہاں ایک خوبصورت گھر دریا کنارے ہمارا منتظر تھا اور احباب حلقہ چشم براہ۔ شام کو بیان اور ذکر۔ صبح ذکر اور بیان — بس یہ ہماری مصروفیت کا خلاصہ ہے۔ دن کو بازار گئے — ایک تو دانتوں کے ڈاکٹر کو دکھانا تھا اور پھر مشہور چائنہ شاپ دیکھی جس میں گھٹیا چیزیں اعلیٰ نرخوں پہ فروخت ہوتی ہیں۔ گذشتہ سال سے جب سے لوگوں کا چین آنا جانا ہوا ہے وہ وہاں سے چیزیں لاتے ہیں جو کوالٹی میں اچھی اور قیمت میں کم ہوتی ہیں۔ پتہ چلا کہ یہ سرکاری انتظام ہے اور جو اخراجات سرکاری وفود یعنی سرحدی تجارت کے وفود پہ اٹھتے ہیں وہ اسی شاپ سے پورے کیے جاتے ہیں۔ پھر کچھ دیر بازار دیکھا اور واپس پہنچ گئے۔

## یکم اکتوبر ۱۹۸۷ء
## ۶ صفر

کل یعنی ۳۰ ستمبر کو ہمارا پروگرام باہر جانے کا تھا اور گلگت کے پروگرام میں عموماً ہر سال ہوتا ہے۔ کچھ مناظر فطرت دیکھنے کو ملتے ہیں ساتھ کچھ ورزش ہو جاتی ہے کبھی کبھی شکار بھی ہو جاتا ہے۔ نیز لوگوں سے ملاقات جو ہمارا اصل مقصد ہوتا ہے۔ اس کے مواقع بھی نکل آتے ہیں۔ رات علی احمد صاحب اور منصور پہنچ گئے وہ کاریں لائے تھے جن پر ہمیں واپس جانا تھا۔ وہ بھی تیار ہو گئے چنانچہ دو جیپیں تیار کیں۔ کچھ ساتھی، کھانا، چائے اور بندوقیں۔ رات پونے دو بجے اٹھے۔ نوافل ادا کیے۔ چائے پی اور یوں رات ڈھائی بجے رات گلگت سے روانہ ہوئے۔ پجیرو میں چلا رہا تھا اور دوسری گاڑی ڈائی ہالٹسو تھی جسے ایک بنک گارڈ ڈرائیو کر رہا تھا۔

خنجراب گلگت سے پونے دو سو میل ہے ۲۸۰ کلو میٹر ہے۔ سڑک کشادہ ہے مگر حادثے کا چانس ایک ہی بار ہے کہ سڑک پہاڑ کے ساتھ ساتھ کاٹ کر بنائی گئی ہے۔ نیچے دریا ہے۔ دریائے سندھ سکردو کی طرف سے آتا ہے یہاں اس سے دریائے گلگت آکر ملتا ہے۔ گلگت پہنچیں تو دریا پھر تقسیم ہو جاتا ہے یا اوپر سے دو دریا آکر مل رہے ہوتے ہیں — گلگت اور دریائے ہنزہ۔ یہ خنجراب کی سڑک دریائے ہنزہ کے ساتھ جاتی ہے اور خنجراب کی چوٹی تک دونوں ایک دوسرے کا ساتھ نباہتے ہیں۔ وہاں جا کر سڑک بھی تمام ہوتی ہے اور دریا کی ابتدا بھی وہیں سے ہے۔ گلگت سے

خجراب تک دریا کے دونوں طرف دو قدیم ریاستیں ہیں۔ ایک طرف نگر اور دوسری طرف ہنزہ نگر۔ نگر اماميہ شیعہ ہیں اور ہنزہ میں اسماعیلی شیعہ۔ پہلے تو اس پورے علاقہ کی فضا اذان سے بھی آشنا نہ تھی مگر اب جگہ جگہ نوجیوں نے چھوٹی چھوٹی مساجد تعمیر کی ہیں۔ غالباً پہلے میں اس موضوع پر لکھ چکا ہوں۔ اب ان ریاستوں میں بھی کچھ لوگ اہل سنت اور علماء کی کوششوں سے ان میں اضافہ ہو رہا ہے۔ مسلمانوں کی طرف سے صدیقی ٹرسٹ کراچی کی کاوشیں قابل داد ہیں ـــــ ہم نے فجر راستے میں ادا کی۔ اور تقریباً پونے سات بجے ہم خجراب سے ۲ میل پیچھے تھے جہاں گلیشیئر نے دریا کو روک کر ایک جھیل بنادی ہے اور یوں سڑک بند ہو گئی ہے وہاں فوجی جوان دن بھر ایک بڑی کشتی میں ادھر کے مسافر اُدھر پہنچاتے رہتے ہیں۔ نیز چھوٹی گاڑیاں بھی لاد کر گزار دیتے ہیں۔ ہمارے بارے انہیں اطلاع تھی۔ چنانچہ جیپیں لاد کر انہوں نے پار کرا دیں اور یوں ہم پھر سے آگے روانہ ہوئے ـــ کرنل مطلوب صاحب اور راجہ محمد یوسف صاحب ساتھ نہیں تھے۔ باقی ساری ٹیم تھی۔ اب اِدھر اُدھر شکار کی تلاش ہوئی سڑک عموماً تھوڑی تھوڑی اوپر اُٹھتی جاتی ہے ـــ مگر خجراب سے کوئی تقریباً ۱۰ میل پہلے ایکدم سے موڑ کاٹتی ہوئی چوٹی پہ پہنچ جاتی ہے جہاں سے ایکدم چڑھائی شروع ہوتی ہے۔ وہاں بھی ایک گیم واچر صاحب تھے جو ان سیاحوں کے پاس بیٹھے تھے جنہوں نے اس جگہ کیمپ لگا رکھا تھا۔ انہوں نے ہمیں روکا۔ زیرو پوائنٹ سے آگے نہ جانے کی تلقین کی مگر بندوقیں دیکھ کر ٹھٹھک گیا۔ ہم بھی دو موڑ اوپر چڑھے اور دُوربین سے مارخور تلاش کرنے لگے ـــ گلگت سے ہمارے ایک دوست حاجی صاحب بہت اچھے شکاری ہیں۔ انہوں نے پہاڑی چوٹی کے چھوٹے سے دامن میں مارخور چرتے ہوئے دیکھ لیے۔ پھر ہم نے باری باری دیکھے اور پروگرام سوچنے لگے کہ کس طرف سے وہاں پہنچا جا سکتا ہے۔ اتنی دیر میں گیم واچر آ پہنچا۔ بڑا خفا دکھائی دے رہا تھا کہ آپ ہتھیار ساتھ نہیں لا سکتے۔ یہ تو ہماری دھی (DHE) پوسٹ والوں نے غلطی کی کہ آپ کو چھوڑ دیا لیکن اب وہ بھی ہم سے ہتھیار تو نہیں لے سکتا تھا لہٰذا وہ ہمارے ساتھ ہی بیٹھ گیا۔ ہم نے سوچا چلو ٹاپ پر چلتے ہیں۔ مارخور تو بے فکر چر رہے ہیں کافی دیر رہیں گے۔ چنانچہ ہم اس کو ساتھ لے کر چل پڑے اور چین پاکستان سرحد پر جا پہنچے ـــ بہت خوبصورت جگہ ہے ـــ

گرداگرد چھوٹی چھوٹی پہاڑیاں اور درمیان میں یہ میدان جیسی جگہ ہے۔ آدھی پہاڑیاں چین میں ہیں اور آدھی پاکستان میں ہیں۔ یہی حال میدان کا ہے۔ یہ چھوٹی پہاڑیاں اس طرف سے ہیں۔ دوسری طرف سے دیکھیں تو بڑے بلند پہاڑوں کی چوٹیاں ہیں۔ میدان کو ہلکے ہلکے روپہلی بادلوں نے گھیر رکھا ہے اور درمیان میں سرحدی بورڈ ہیں جن کے درمیان ایک سبز رنگ کی گرداگرد کی گھاس نما روئیدگی میں پھولوں کی سُرخی سے آگ لگ رہی ہے۔ برفانی چوٹیوں پر گہرے سرخ رنگ کی چھوٹی چھوٹی بوٹیاں ہوتی ہیں جن کے درمیان ایک سبز رنگ کی زمین پر پھیلی ہوئی چپٹی سی بُوٹی ہوتی ہے۔ اس کے پتّے سِکّوں کی طرح اور ریشمی ہوتے ہیں۔ بالکل اصل ریشم کی تاروں سے بنے ہوئے لگتے ہیں۔ ہاتھ لگا دو تو خوشبو دن بھر تنگ کرتی ہے۔ میں نے ہاتھ میں مسل کر سینے پر ہاتھ مَل دیا۔ قمیض میں تو ابھی خوشبو ہوگی کہ دوسرے دن بدل دی تھی۔ ہاتھ میں بھی رات تک رہی اگرچہ بار بار وضو کرتا رہا۔

اب سُنیئے اس گیم واچر صاحب کی کہ اسے کچھ عجیب سا لگا۔ دل کھنچتا تھا۔ سو اس نے کرید شروع کی۔ احباب سے پوچھا کون ہے یہ شخص، مجھے اچھا کیوں لگنے لگا ہے اور عجیب پہچان ہوئی تو اور قریب ہوگیا۔ اللہ اللہ کی تلقین کی۔ اسے بتایا کہ یہی چیز ہر دل کو جذب کر لیتی ہے۔ اور یوں ہمارا شکار لگ چکا تھا۔ وہ قریب ہی کا رہنے والا تھا۔ اللہ کا شکر ادا کیا کہ ان دُور دراز علاقوں میں جہاں لوگ دنیا کی ہر سہولت سے محروم سخت ترین زندگی گزار رہے ہیں اور بیچارے آخرت سے بھی بے بہرہ ہیں۔ اگر ہم انہیں دنیا کی کوئی سہولت نہیں دے سکتے تو کم از کم عقیدہ اور عمل ذکرِ الٰہی ہی سکھادیں کہ آخرت کو پاسکیں۔ اب وہ آدمی جو روکنے آیا تھا مصر تھا کہ آپ ضرور شکار کریں یہاں سے خالی نہ جائیں۔ ہم نے شکریہ ادا کیا اور واپس چلے تقریباً ۲۰۰۰ فٹ نیچے اُترے تو بائیں ہاتھ وہی پہاڑ تھا جس پر ہم مارخور دیکھ چکے تھے۔ شکاری بیدار ہو چکا تھا۔ وہ آدمی کے اندر ایک آدمی ہوتا ہے۔ ہم نے جائزہ لیا اور پھر چار آدمیوں نے اُوپر چڑھنا شروع کردیا۔ دو ساتھی مقامی یعنی گلگت کے رہنے والے تھے اور میں اور سرور، اب چڑھنے کو وہی پگڈنڈیاں تھیں جو مارخور کے پاؤں سے بنی تھیں سیدھی اوپر کو چڑھتی ہوئی ڈھلوان ایسی کہ پاؤں پھسلے تو پھر ایک ہی جست میں سڑک

پر آکر رُکنا تھا۔ ہم چڑھتے رہے اور ایک کے بعد ایک پہاڑ کی تہیں سی کھلتی جا رہی تھیں۔ ہم نے جو اندازہ لگایا وہ درست نہ تھا اور پہاڑ بہت زیادہ بلند تھا۔ حتیٰ کہ ہم اس قدر اوپر چڑھ گئے جہاں سے محراب بہت نیچے رہ گیا تھا اور آگے اور آگے۔ ہم رُک رُک کر چل رہے تھے بالآخر ہمت جواب دے گئی اور سانس رُکنے لگی۔ تقریباً ہم اٹھارہ ہزار فٹ اوپر چڑھ چکے تھے۔ یہاں زندہ رہنا بہت دُشوار ہو جاتا ہے جبکہ ہم نے بہت زیادہ چڑھائی بھی چڑھی۔ سو میں اور سرور بیٹھ گئے۔ ہمارے چاروں طرف بادل تھے ہلکے ہلکے سورج چمک رہا تھا اور برفپوش چوٹیاں ہمارے قدموں میں تھیں۔ میں نے دیکھا تو ایک چوٹی پہ بگولا سا اُٹھ رہا تھا جس میں خس و خاشاک کی جگہ برف کے ننھے ننھے ذرات چمک رہے تھے۔ سرور کو دکھایا کہ قدرت کا تماشہ دیکھو برفانی چوٹی پر بگولے کا تصور کتنا عجیب سا لگتا ہے۔ یوں محسوس ہُوا جیسے چوٹی پہ برف کے نیچے دبی ہوئی چٹانوں نے کسی لڑھک جانے والی ہمنشیں کی یاد میں آہ بھری ہو جس کا دُھواں اُٹھ رہا تھا۔

گور کس دل جلے کی ہے یہ فلک
شعلہ اک صبح یاں سے اُٹھتا ہے۔

وہاں جسم کا بھی عجب حال ہوا کہ جس طرف مُڑے جسم وہاں رُک جاتا تھا اور واپس لانے کے لیے زور لگانا پڑتا تھا۔۔۔ آپ کسی کو کرشن کی مورتی بنانا چاہیں تو اس بلندی پہ کھڑا کر کے وہ پوز بنا دیں اور شوق سے پُوجا کریں۔۔۔ مقامی لوگوں کو اپنا بھرم رکھنا تھا وہ کوئی سو گز آگے چلے گئے مگر واپسی پر سب کا حال ایک جیسا تھا۔ بصد خرابی نیچے آئے اور مارخور ہم سے کوئی دو سو گز دُور چرتے رہے جو اب ہمیں بھول چکے تھے۔۔۔ جیپ میں بیٹھ کر کافی نیچے آئے۔ کنارِ دریا رُک کے اور کمبل ڈال کر دراز ہو گئے۔ سانس لینا مشکل ہو رہا تھا۔ پھیپھڑے درد کرتے تھے۔ بہرحال گھنٹہ بھر بعد طبیعت قدرے سنبھلی۔ ظہر کا وقت تھا۔ کچھ کھایا پیا نماز ادا کی اور یوں تھوڑی دیر مزید آرام کرنے کے بعد ہم چلنے کے قابل ہوئے کہ ایک گیم واچر آ دھمکا "آپ نے کیا مارا ہے" وہ بڑا بے تاب نظر آ رہا تھا۔۔۔ "بھائی ہم نے جان ماری ہے اور اپنی جان ماری ہے تمہیں کیوں فکر لگ رہی ہے" اسے بھی کھانا دیا جو بچا وہ بھی ساتھ دے کر رخصت کیا اور یوں واپس چلے۔ رات ۹ بجے گلگت پہنچے۔ صبح جگلوٹ چلے آئے مگر بادل

جو چوٹیوں پر ہمارے واقف بن چکے تھے ہمارے چاروں طرف موجود تھے۔ حتیٰ کہ اگلی صبح وہاں سے نکلے۔ کھانا دا سو کھایا اور سندھ کے ساتھ ساتھ تھاکوٹ تک ہمارے چاروں طرف بادل تھے جو رات بھر برسے تھے۔

آج تین اکتوبر سے میں نے یکم کی ادھوری سطور تم الٰہی مُنگ بیٹھ کر مکمل کی ہیں۔ بادل ہمارے چاروں طرف اب بھی چھائے ہوئے ہیں اور بادلوں کے درمیان میں ان سطور کو ختم کر رہا ہوں۔ یہ بات بتائے بغیر کہ بادلوں کے درمیان کیسے کیسے لوگ یاد آتے ہیں شاید جن کی یادوں سے برف میں بھی دھواں اُٹھتا ہے۔

۳ر اکتوبر ۱۹۸۶ء

اب کچھ بات ہو جائے گلگت کی محافل کے بارے میں تو پہلے روز کا شام کا بیان کچھ اس طرح سے تھا کہ انسان دارِ دنیا میں رہتے ہوئے کس طرح سے امن و سکون کو پا سکتا ہے کہ جب تک کسی کی بھی حیاتِ ظاہری ایک خاص صورت اختیار نہ کر لے وہ آخرت کے بارے کیا سوچے گا — سو چونکہ ہم حیاتِ ظاہری کو بہت شدت سے محسوس کرتے ہیں اور اپنے ماحول سے بیگانہ نہیں رہ سکتے تو اوّل اپنے اردگرد ایک ایسا ماحول چاہیئے جسے ہم کم از کم خوشگوار کہہ سکیں۔ اب اس کے لیے اگر ہم تاریخ انسانی بھی دیکھیں تو روئے زمین پر سب سے اعلیٰ نظام جس میں ہر آدمی کے لیے سکون میسّر تھا وہ آقائے نامدار حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عطا کردہ نظام تھا۔ ایک ایسا دور جس نے سکون ناآشنا معاشرے کو نہ صرف امن کا گہوارہ بنا دیا بلکہ روئے زمین پر سکون کے تحفے بانٹے اور عالمِ انسانیت کو امن کے حقیقی مفہوم سے آشنائی بخشی۔ نیز ایسے قواعد عطا فرمائے جو بُعدِ مکانی سے متاثر ہوتے ہیں نہ بُعدِ زمانی سے — یعنی ہر دور میں اور ہر جگہ مفید — اب رہا فکرِ آخرت تو بات یوں بنتی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت میں اگر دنیا کے کام بھی کیے جائیں تو از خود آخرت بھی سنور جاتی ہے کہ اتباعِ نبوت ہی آخرت کی کامیابی کی ضمانت بھی ہے اور جب کوئی شخص بھی ایمان لا کر امورِ دنیا میں اتباعِ سنت اختیار کرتا ہے تو فرائض و عبادات کو کبھی نظر انداز نہیں کر پاتا۔

کچھ اسی طرح سے بیان خلاصہ یاد پڑتا ہے صبح درس ہوا تو قرآن کریم جہاں سے کھلا وہاں

تذکرہ تھا کہ اہلِ جنت آپس میں بات کریں گے، اور کہیں گے کہ یار فلاں آدمی کہا کرتا تھا کہ جب ہم مر کر گل سڑ جائیں گے تو پھر زندہ کیے جائیں گے بھلا یہ کیا بات ہوئی۔ چلو اسے دیکھیں تو سہی۔ وہ جھانک کر دیکھیں گے تو انہیں وہ شخص جہنم میں نظر آئے گا تو کہیں گے بھئی تم تو ہمیں تباہ ہی کر دیتے مگر اللہ نے بچا لیا ـــــ سو اس پر بات ہوئی کہ جنت تو بالائے آسماں ہے اور جہنم... تحت الثریٰ بہت فاصلے ہیں ـــ پھر جنتی دیکھنے اور بات کرنے میں کس قدر مضبوط ہوں گے مگر نہ صرف جنتی بلکہ دوزخی بھی جنتیوں سے بات کر سکیں گے کہ قرآنِ حکیم میں مذکور ہے کہ دوزخی اہلِ جنت سے پانی کا سوال کریں گے تو جواباً وہ کہیں گے کہ اللہ نے جنت کی نعمتیں کافروں پر حرام کر دی ہیں تو انسانی زندگی میں آخرت میں کونسی بڑی تبدیلی آئے گی۔ اس کے بارے شریعتِ مطہرہ سے جو بات ملتی ہے وہ یہ ہے کہ دنیا میں جسم یا بدن مکلف بالذات ہے اور روح اس کے تابع ـــ موت کے بعد قیام قیامت تک روح مکلف بالذات اور بدن اس کے تابع ہوگا مگر میدانِ حشر میں اور اس کے بعد بدن اور روح دونوں برابر مکلف ہوں گے۔

ہوں گے اسی لیے دنیا میں جسمانی راحت و الم تو محسوس ہوتا ہے مگر روحانی کیفیتوں کا ادراک مشکل اور برزخ میں روحانی کیفیات وارد ہوتی ہیں جن کا اثر جسم پر محسوس ہونا مشکل ہے مگر میدانِ حشر میں دونوں حالتیں یکساں موثر ہوں گی جہاں انسان انسانوں کو دیکھیں گے یا بات کر سکیں گے وہاں فرشتوں کو بھی دیکھیں گے بات کر اور سن سکیں گے۔ اب دنیا میں دیکھا جائے تو موت کے وقت اکثر لوگ فرشتوں کو دیکھ لیتے ہیں جس کا اظہار بھی کرتے ہیں۔ قرآنِ حکیم نے فرشتوں اور انسانوں کی گفتگو کا ذکر فرمایا ہے جو موت کے وقت ہوتی ہے یا پھر کافروں کو فرشتوں کے مارنے کا ذکر بھی ہے اسی لیے موت کے وقت کفر سے توبہ منظور نہیں کہ ایمان بالغیب نہیں رہتا۔ اور دیکھ کر سب مان لیتے ہیں ـــ ہاں مومن کی گناہ سے توبہ اس وقت بھی منظور ہوتی ہے سو دنیا میں روح کی حیات ایمان سے شروع ہوتی ہے اور اگر برکات نبوت نصیب ہوں روح کی تربیت ہو سکے تو فرشتوں سے کلام یا برزخ سے اطلاع بذریعہ کشف ہونا کوئی بھی عجیب بات نہیں بلکہ نورِ ایمان کی خصوصیات

میں سے ہے۔

یہ بھی گھنٹہ بھر کا بیان تھا جس کا میں نے صرف خلاصہ بیان کیا ہے۔ شام کو پھر پہلے بیان کا دوسرا حصہ عرض کیا کہ انبیاء سے فیوضات کس صورت میں نصیب ہوتے ہیں۔ تو فیوضاتِ نبویؐ کی دو اقسام ہیں۔ تعلیماتِ نبوت اور برکاتِ نبوت۔ تعلیمات نبوت ہی دین ہیں ان میں قرآن و حدیث ہے جو سارے دین کی اساس ہے اور برکات نبوت یہ ہیں کہ جو شخص بھی ایمان لاکر مجلس عالی میں پہنچا صحابی قرار پایا یعنی عقائد و اعمال ورع و تقویٰ خشوع و خضوع غرض ہر اعلیٰ وصف میں جملہ غیر صحابہ سے بہت بلند۔ تو یہ ایک انعکاسی عمل تھا کہ سامنے آنے سے ایک خاص کیفیت قلبِ اطہر سے قلبِ مومن میں منتقل ہو جاتی تھی۔ سو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد برکات ختم نہیں ہوئیں بلکہ صحابہ کی مجلس میں پہنچنے والا تابعی قرار پایا۔ ایسے ہی تبع تابعی۔ تو گویا حصولِ فیض کے دو راستے ہیں تعلیماتِ نبوت کو حاصل کیا جائے اور برکاتِ نبوت کو حاصل کیا جائے تب جاکر حقیقی مقصد تک رسائی کی اُمید بنتی ہے۔

مجھے اگلے روز کا درس یاد نہیں رہا۔ اس کے بعد کی شام کا بیان اسی بیان کا تیسرا حصہ تھا۔ کہ تعلیمات کا حصول تو معروف ہے مدارس موجود ہیں مگر یہ برکات کس طرح حاصل کی جاسکتی ہیں تو دیکھیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تمام صفات کا مرکز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ عالی تھی امام فقیہہ محدث مفسر سب کچھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی تھے مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کمالات تقسیم ہو گئے کوئی مفسر کہلایا کوئی محدث اور کوئی فقیہہ۔ یعنی بعض لوگ بعض خاص خاص اوصاف میں مشہور ہوئے۔ اسی طرح سلاسل تصوف وجود میں آئے اور عالی ہمت حضرات نے حصولِ تعلیمات کے ساتھ حصولِ برکات کے لیے عمریں صرف کر دیں۔ ایسے لوگوں کی صحبت اختیار کی جو حامل برکات تھے۔ اور اپنے سینے منور کیے۔ پھر یہ انوار آنے والی نسلوں کو منتقل فرمائے۔ سو خانقاہیں وجود میں آئیں اور اگر آپ تاریخ اسلام میں نگاہ کریں تو چوٹی کے محدث و مفسر و فقہا سب خانقاہوں میں نظر آئیں گے۔ جس طرح حدیث کی سند ہے ایسے ہی سلاسل کے شجرہ ہائے مبارک ہیں کہ کس نے کس کی صحبت میں برکات حاصل کیں۔ اس نے کہاں سے پائیں۔ اس طرح یہ

سلسلہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتا ہے۔
ان سلاسل میں ایک یہ سلسلہ عالیہ ہے جسے نقشبندیہ اویسیہ کا نام دیا گیا ہے اور فقیر اس کا خادم ہے۔ اس کی انفرادیت یہ ہے کہ باقی سلاسل کم از کم دو سال ایک لطیفہ پر چلتے ہیں اور اس طرح سات لطائف کے لیے کم از کم چودہ چودہ سال بنتا ہے جبکہ اس سلسلہ عالی میں ایک نگاہ سے سات لطائف روشن ہو جاتے ہیں۔
نیز ہر طالب کو وہ روحانی قوت نصیب ہوتی ہے کہ کشف الٰہیات نصیب ہوتا ہے اور برزخ میں رسائی نصیب ہو کر روحانی طور پر بارگاہِ نبوت کی حاضری اور بیعت نصیب ہوتی ہے جو بھی آئے اس کے لیے اس کے دروازے کشادہ ہیں ۔۔۔

اگلی صبح ہم خجراب پر چلے گئے جس کا سرسری تذکرہ ہو چکا ۔۔۔ صبح ہم جگلوٹ آئے اور پھلیے پھر بونجی جو ایک گاؤں ہے سندھ کے پار اور این ایل آئی NLI کا سنٹر ہے، چلے گئے۔ آفیسر میس میں چائے تھی۔ یہ عمارت پہلے مہاراجہ کشمیر کی سرکاری رہائش گاہ تھی اور ساتھ جیل خانہ اور ملازمین کی رہائش وغیرہ جیل خانہ اب پاک فوج کا ہتھیاروں کا ذخیرہ بنا ہوا ہے اور کرنار سنگھ کا محل آفیسر میس ہیں۔ جب چائے ختم ہوئی تو ایک رس بھری آواز گونجی اللہ اکبر اللہ اکبر۔ مڑ کر دیکھا تو ایک پُرنور چہرے والا آدمی پوری اور خوبصورت داڑھی جو چہرے پہ بہت سج رہی تھی اذان کہہ رہا ہے۔ یہ اس کیمپ کے نئے کمانڈنٹ تھے۔ خدا گواہ ہے مجھے وہ لذت اور ایسا سرور نصیب ہُوا کہ مَیں اس بات کا قائل ہو گیا" ملّاں کی اذان اور مجاہد کی اذان اور" سبزہ زار پر صفیں بچھی تھیں۔ عصر کے لیے صف بندی ہوئی تو مجھے کہا گیا کہ نماز پڑھائیں مگر مَیں نے زبردستی ان کو آگے کر دیا۔ بے اختیار دل چاہ رہا تھا کہ اس مردِ خدا کی اقتدا میں نماز ادا کی جائے۔ اس کی ان اداؤں نے محبوب شیخِ سلسلہ کی یاد میں دل تڑپا دیا جس نے پتھر دل سے ہیرے تراشے ہیں اور کلبوں سے جوان پکڑ کر بارگاہِ نبوت میں باریاب کر دیئے۔ اللہ کریم ان پر کروڑوں رحمتیں نازل فرماتا رہے اور فقیرِ بے نوا کو وہ عظیم ذمہ داری نبھانے کی توفیق بخشے جو اس بدکار کے ذمہ ہے۔

اگلے روز ہم وہاں سے چل کر داسو پہنچے۔ ایک دوست کے ساتھ کھانا کھایا۔ یہاں سے صوبہ سرحد شروع ہو جاتا ہے اور ضلع کوہستان

کا صدر مقام ہے۔ دریائے سندھ کے دونوں کناروں پہ شہر ہے اور درمیان میں شاہراہ ریشم کا پل ہے۔ وہاں سے چل کر مغرب سے قبل ثم الٰہی منگ پہنچ گئے۔ مغرب ادا کی بیان ہوا۔ اور محفل ذکر تہجد کے بعد پھر محفل ذکر اوردن کو کنڈ فارسٹ لاج دیکھنے چلے گئے۔ سوزدکی جیپ میں ہم چھ آدمی سوار تھے۔ انتہائی تنگ اور مشکل راستہ۔ سیدھی چڑھائی حتیٰ کہ ظہر وہاں پہنچ کر ادا کی۔ بہت خوبصورت چوٹی ہے ۸۲۰۰ فٹ بلند ایک طرف دریائے سیرین جس کے کنارے ثم الٰہی منگ اور مشہور ڈاڈر سیٹوریم ہے اور دوسری طرف پہاڑ کے دامن میں بالاکوٹ جہاں سید احمد شہیدؒ کی یادگار شاہ اسمٰعیل شہیدؒ آرام فرما ہیں — گڑھی حبیب اللہ تک وادی کاغان نظر آتی ہے اور دوسری طرف ناران تک اور بابوسر پاس نظر آتا ہے ظہر ادا کی تو ہلکی ہلکی بارش لگ گئی۔ بہت خوبصورت نظارہ تھا۔ بارش کا قطرہ زمین پر آنے سے پہلے جم جاتا تھا اور یوں ہلکا سا گولہ گھاس پہ گر کر اچھلتا تو دل نکال کر لے جاتا۔ کاش آدمی کے اختیار میں کچھ ہوتا مگر نہیں یہ خطرناک جنس بے اختیار ہی بھلی۔ سارا اختیار اسی ذات بے ہمتا کو زیبا ہے جسکے پاس ہے واپسی تک شام ہوگئی۔ رات بہت سے احباب جمع تھے۔ سیدھے مسجد میں گئے۔ بیان ہوا جو کچھ اس طرح سے تھا کہ انسانوں کے ذوق مختلف ہوتے ہیں اور اگر لیڈرز یا قائدین کو دیکھا جائے تو ہر لیڈر کے پیچھے وہی لوگ چلتے ہیں جن کا ذوق اس سے ملتا ہو۔ ورنہ اس کی مخالفت کی جاتی ہے۔ دین اسلام ساری انسانیت کو نہ صرف حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت سے روکتا ہے بلکہ سب کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کی دعوت دیتا ہے۔ اب یہ ان لوگوں کے لیے بڑی مشکل بن جاتی ہے جن کا ذوق مختلف ہو اور اللہ کریم کا قانون ہے جو بات کسی کے بس میں نہ ہو اسے اس کا حکم نہیں فرماتے تو پھر یہ سب کیا ہے — کافر تو کافر یہاں مسلمان بھی فرائض تک کو بوجھ سمجھ کر چھوڑ بیٹھا ہے۔ شاید اس کے ذوق سے مطابقت نہیں رکھتے تو سنن و مستحبات کی کیا پرواہ ہوگی۔ سو اللہ کریم نے اس کا علاج بھی فرما دیا ہے۔ کہ انبیاء میں ایک قوت ہوتی ہے جو آدمی بھی ایمان لاکر ان کی محفل میں پہنچتا ہے اس کا ذوق بدل جاتا ہے اور کلی طور پر نبی کے ذوق کے تابع ہو جاتا ہے۔ حتیٰ کہ اس کی پسند ناپسند

دانی نہیں رہتی بلکہ نبی ہی کی پسند و ناپسند کے تابع ہوجاتی ہے۔ اس کی بہترین مثال آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ ہیں کہ تیرہ برس مکی زندگی میں لڑنے کی اجازت نہ تھی۔ صبر و شکر سے برداشت کرتے رہے۔ حتیٰ کہ ہجرت کا حکم ہوا۔ بدل و جان قبول۔ مدینہ منورہ آکر جہاد کا حکم ملا۔ تو بسر و چشم قبول۔ غرض اطاعت نبویؐ ہی ان کا مقصدِ حیات بن گیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ صحبتِ نبویؐ میں ان کا ذوق بن چکا تھا۔ یہی کیفیت صحابہ سے تابعین اور صلحاء سے امت کو منتقل ہوئی۔ اسی کے حصول کو سلوک اور تصوف کہتے ہیں اور یہی سلاسل تصوف کا اصل مصرف اور فائدہ بھی ہے کہ آدمی کا ذوق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مزاج عالی کے تابع ہوجائے تو اتباع شریعت کے بغیر چین نہیں آتا ورنہ مشکل ہے۔

یہ ایک خلاصہ تھا جو میں نے آپ کے پیش کر دیا۔ آج ایبٹ آباد قیام ہے۔ بیان ہوگا اور محفلِ ذکر اور کل انشاء اللہ یہ دورہ ختم کرتے ہوئے واپس چلیں گے۔ جہاں چند روز جو بظاہر آرام کے لیے ہوتے ہیں، مگر ان میں نہ گھر کا کوئی کام ہوسکتا ہے نہ آرام

کہ غیر حاضری میں جو ڈاک آتی ہے اس کے جواب اور ساتھ ملاقات والے حضرات وقت لے جاتے ہیں اور پھر دوسرا دور شروع ہوجاتا ہے۔ اللہ کریم کا شکر ہے کہ اس نے ہمیں اپنے کام پہ لگا رکھا ہے ورنہ وہ جس سے چاہے، خدمت لے سکتا ہے۔ اللہ کریم عالم اسلام پر رحم فرمائے اور مسلمان مجاہدوں کی ہر جگہ امداد فرمائے۔ آمین

---

بقیہ: باتیں ان کی خوشبو خوشبو

درج ہے۔

"میں نے تجھ سے سوال کیا تھا کہ لوگ اس دین کو قبول کر لینے کے بعد اسے بڑا سمجھ کر ترک بھی کر دیتے ہیں، تو تم نے جواب دیا کہ "نہیں" اور ایمان کی بھی یہی حالت ہے۔ جب اس کی تازگی قلب میں جم جاتی ہے (تو پھر دُور نہیں ہوتی)

فرمایا: فنا فی اللہ و بقا باللہ کے مقامات پر فائز ہونے کے بعد ایمان دل میں جم جاتا ہے۔ اس حقیقت کو اللہ تعالیٰ نے ایک اور صورت میں بیان فرمایا ہے "ترجمہ" لیکن اللہ تعالیٰ نے تم کو ایمان کی محبت دی اور اس کو تمہارے دلوں میں مرغوب کر دیا ہے۔" اس کی تفصیل یہ ہے کہ اصل مکلف قلب ہے۔ عالم متکلم، فاہم

(باقی صـ ۴۸ پر)

(قسط آخر)

نسیم ملک

# قافلے دل کے چلے

دس جون کو فاروق صبح آگیا۔ اس کے ہمراہ نیویارک دیکھنے گئے۔ ایک چرچ نما سکول کے صحن میں ظہر کی نماز ادا کی۔ شیخ کی دور روز کی معیت نے اپنا رنگ دکھایا اور فاروق نے بھی تیمم کر کے نماز پڑھی۔ عصر کی نماز ایک بنگلہ دیشی مسلمان کی دکان پر ادا کی جس نے ہمیں قریب ہی اسلامک سنٹر میں آنے کی دعوت دی۔ وعدہ کر کے واپس آگئے۔

گیارہ جون کو سارا دن گھر رہے حسب معمول ذکر اور صحبت شیخ کی مبارک محفلیں سجیں اور احباب کے ساتھ افہام و تفہیم کا دلچسپ سلسلہ جاری رہا۔

بارہ جون کو مذکورہ بالا اسلامک سنٹر میں جمعہ کی نماز ادا کی۔ امام صاحب نے جو کہ لاہور کے رہنے والے تھے انگریزی میں تقریر کی۔ نماز کے بعد ایک پرانے ساتھی کے صاحبزادے انجم سے ملاقات ہوئی۔ انہوں نے کھانے کی دعوت دی۔ حضرت نے اس شرط پر منظور کر لی کہ اگر وقت ہوا تو آجائیں گے۔ رات کو شکاگو سے حلقے کے ساتھی تاج رحیم صاحب بھی پہنچ گئے۔ ان کے ہمراہ اگلے روز واشنگٹن ڈی سی جانے کا پروگرام بنا۔ جو ۲۳۰ میل دور تھا۔

تیرہ جون کو صبح کی نماز کے بعد واشنگٹن ڈی سی روانہ ہوئے اور ظہر سے کچھ دیر پہلے وہاں پہنچے۔ وائٹ ہاؤس کے سامنے ایک پارک میں ظہر کی اذان کہی اور با جماعت نماز ادا کی۔ نماز کے بعد واپس روانہ ہوئے۔ عصر اور مغرب راستے میں ادا کیں۔ رات کے تقریباً ساڑھے دس بجے واپس پہنچے ——— بڑا خوبصورت ملک ہے

لیکن بے دینی۔ بے راہ روی اور خدا ناشناسی انتہا پر ہیں۔

چودہ جون کو صبح فاروق سے فون پر ڈیلس بات ہوئی۔ اُس نے آنے کی دعوت دی۔ جناب لک صاحب کے کچھ عزیز ہیوسٹن میں تھے۔ چنانچہ ڈیلس اور ہیوسٹن جانے کا پروگرام بنا۔ عصر کے بعد حضرت مدظلہ العالی نے احباب سے خطاب فرمایا۔ آدابِ شیخ پر مفصل گفتگو ہوئی اور فرمایا کہ شیخ آقائے نامدار حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ مشائخ برزخ اور سالکین کے درمیان ایک پُل کی حیثیت رکھتا ہے۔ تمام فیوضات و برکات آپؐ سے شیخ کی وساطت سے سالکین تک پہنچتے ہیں۔ سلسلۂ عالیہ کے ہر ساتھی کی روحانی ترقی کا وہ ذمہ دار ہوتا ہے اور لطائف سے لے کر روحانی بیعت اور اعلیٰ منازلِ سلوک اُسی کے ذریعہ سے حاصل ہوتے ہیں۔ ہر ساتھی کے کشف کو شریعتِ مطہرہ کی کسوٹی پر پرکھنا اور اس کی حقیقت کا تجزیہ کرنا۔ شیخ کے فرائض میں سے ہے۔ تاکہ سالک شیطان کے مکر و فریب سے محفوظ رہ سکے۔ شیخ کا مقام بمنزلہ روحانی باپ کے ہوتا ہے جو رتبہ میں حقیقی والد سے بلند ہوتا ہے کیونکہ شیخ کا تعلق ابدالآباد تک رہتا ہے جبکہ والد کے تعلق کو موت ختم کر دیتی ہے۔ یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ شیطان کا بدترین حملہ شیخ اور سالک کے درمیان بدگمانیاں پیدا کرنا ہوتا ہے تاکہ اس نازک ترین تعلق کر ٹھیس پہنچا کر فیوض و برکات کے حصول میں رخنہ اندازی کی جا سکے۔

حضرت نے فرمایا کہ میں نے گھوم پھر کر یہاں لوگوں کے حالات کا مطالعہ کیا ہے اور میں معترف ہوں کہ سُننے اور دیکھنے میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ یہاں انسانوں کی حالت قابلِ رحم ہے جسے دیکھ کر مجھے بہت دُکھ ہُوا۔ آخر یہ بھی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت ہیں۔ یاد رکھیں کہ آپؐ کی بعثت کے بعد ہر پیدا ہونے والا انسان آپؐ کا اُمتی ہے کیونکہ آپؐ کی نبوت رہتی دنیا تک قائم ہے کوئی اور نبی نہیں آئے گا۔ ہاں اُمت کی دو بڑی قسمیں ہیں جنہوں نے آپؐ کی نبوت کو تسلیم کر لیا وہ اُمتِ اجابت ہے اور جو ابھی تک دائرہ اسلام سے باہر کھڑے ہیں وہ اُمتِ دعوت ہے۔ یہ فریضہ اُمتِ اجابت کا ہے کہ اُن کو بھی کفر کے پنجوں سے نجات دلا کر آپؐ کی بارگاہ میں

پیش کردے۔ ہم خوش نصیب ہیں کہ اس سرزمین پر یہ کام سلسلہ عالیہ کے سپرد کر کے دربارِ رسالت سے ہمیں یہاں آنے کا حکم دیا گیا۔ اور یہ اس امر کا بیّن ثبوت ہے کہ اللہ کریم کی رضا اور تائید و نصرت ہمارے ساتھ ہے

میں یہ ذمہ داری سلسلۂ عالیہ کے ہر فرد کو سونپتا ہوں جو اس امریکہ کی سرزمین پر بستا ہے۔ اپنی رُوحانی ترقی کی جدّوجہد کے ساتھ ساتھ آپ ہر امریکن شہری کو جو کفر کی دلدل میں دھنسا ہُوا ہے۔ خواہ مرد ہو یا عورت کالا ہو یا گورا ہو۔ حقیقت کی طرف دعوت دینے کو اپنا مقصدِ حیات بنالیں اور درج ذیل طریقہ کار اپنا لیں :۔

(۱) ہر فرد بشر کے لیے اپنے دل میں ہمدردی اور محبت کے جذبات رکھیں۔ یاد رہے کہ تمام نفرتیں گناہ کے لیے ہیں گناہگار کے لیے نہیں۔ کفر کے لیے ہیں کافر کے لیے نہیں ـــ ہمدردی اور محبت کا یہ جذبہ لوگوں کو آپ کے قریب لائے گا۔

(۲) یہاں ہر فرد کا اصلی مسئلہ اطمینانِ قلب ہے۔ آپ انہیں اپنا مجرب نسخہ آزمانے کی ترغیب دیں۔ یعنی لطیفۂ قلب پر اللہ ہُو کی ضربات لگانے کا طریقہ بتادیں۔ انشاء اللہ یہ طریقہ اُن کے قلوب کو پلٹ کر رکھ دے گا۔ اور وہ اسلام قبول کرنے پر آمادہ ہو جائیں گے۔

(۳) قبولیتِ اسلام کے بعد انہیں اپنے ساتھ ذکر کی محفل میں شامل کریں اور انہیں توجہ دیں۔ انشاء اللہ سلسلۂ عالیہ کے جملہ فیوض و برکات اُن تک پہنچنے شروع ہو جائیں گے۔

نیز فرمایا کہ اپنے باہمی معاملات میں اسوۂ صحابہؓ کو اپنائیں۔ محبتیں بانٹنے والے بن جائیں اور ایثار و قربانی کا جذبہ پیدا کریں۔ دل میں وسعت رکھیں اور اپنے تمام معاملات باہمی مشورہ سے طے فرمائیں۔ واپسی سے قبل میں آپ کو ایک نظم دے کر جاؤں گا جس میں مختلف احباب کو مختلف فرائض سونپے جاویں گے۔ جس کو کوئی ذمہ داری ملے وہ اپنے آپ کو دوسروں سے برتر نہ سمجھنے لگے بلکہ دل میں خدمت کا جذبہ لے کر اپنے فرائض کو انجام دے۔ کشفی طور پر جو کچھ معلوم ہو مجھے لکھ کر بھجوائیں تاکہ اُس کا تجزیہ کر کے آپ کو اُس کی حقیقت سے آگاہ کر سکوں۔

آخر میں فرمایا کہ تائید ایزدی اور آقائے نامدار

صلی اللہ علیہ وسلم کی توجہ ۔ جس کا وعدہ کیا گیا ہے، ہی لوگ جوق در جوق انشاء اللہ سلسلۂ عالیہ میں داخل ہوں گے اور اپنی حقیقی منزل پائیں گے ۔ آپ بھی اس میں حسبِ استعداد اپنا حصہ ڈالیں اور محنت اور جد و جہد میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ رہے ۔ آپ بنیادی پتھر بن جائیں ۔ میری دعائیں اور توجہ آپ کے ساتھ ہیں اور میں اپنی ذمہ داری سے ۔ جو آپ کی اور اپنے محبوب شیخ حضرت العلام و مولانا اللہ یار خان رح کی طرف سے ہے، پوری طرح آگاہ ہوں ۔ اللہ کریم آپ کا حامی و ناصر ہو آمین ۔

اسی روز ایک ساتھی بالٹی مور سے صرف پانچ گھنٹے کی چھٹی لے کر ذکر کے لیے تشریف لائے ذکر اور عشاء کے بعد انجم صاحب کے ہمراہ اُن کے گھر کھانے پر گئے ۔ اوراد کے تقریباً ساڑھے بارہ بجے واپس لوٹے ۔ اسلامک سینٹر کے امام بھی موجود تھے اور انہوں نے بہت سے دلچسپ سوالات حضرت سے پوچھے اور سلسلۂ عالیہ کی کتب کے لیے درخواست کی جو انہیں دے دی گئیں ۔

پندرہ جون کو صبح دس بجے تاج رحیم صاحب کے ہمراہ البانی جو نیویارک سٹیٹ کا دارالخلافہ ہے، کے لیے روانہ ہوئے ۔ وہاں کے ایک ساتھی طالب صاحب نے دعوت دی تھی ۔ نماز ظہر کے بعد عجائب گھر دیکھا ۔ جس میں بڑی نفاست اور مہارت سے امریکی تہذیب کے مختلف پہلوؤں کی عکاسی اور حفاظت کی گئی تھی ۔ عصر کے بعد روانہ ہو کر مغرب سے ذرا بعد پہنچے ۔ اس روز زاہد امین صاحب بھی جدہ سے تشریف لے آئے ۔ ذکر کے لیے بہت سے احباب جمع ہو گئے اور بہت پُر زور محفلِ ذکر منعقد ہوئی ۔ الحمد للہ ۔

سولہ جون کو صبح کی نماز کے بعد حضرت مدظلہ العالی، زاہد امین صاحب اور میں ڈیلس روانہ ہوئے ۔ کرنل مطلوب صاحب ۔ فیض احمد اور جان اینڈریو کو بروک لین چھوڑا تاکہ مرکز میں بھی محافلِ ذکر و فکر اور روحانی تربیت جاری رہے ۔ ہوائی اڈے پر فاروق منتظر تھا ۔ وہاں سے سیدھے یحییٰ عبداللہ کی ملاقات کو گئے یحییٰ عبداللہ کا تعلق بنیادی طور پر بلیک مسلم تحریک سے ہے ۔ وہ وہاں ڈیلس کی مسلم تنظیم کا سرگرم اور فعال رکن ہے ۔ دورانِ گفتگو محسوس ہوا کہ اسے لفظ صوفی سے خصوصی چڑ ہے

کیونکہ امریکہ میں صوفی ازم کے نام پر لوگوں کو اس قدر دھوکہ دیا گیا ہے کہ اب دینی حلقوں میں اس لفظ کا اچھا مفہوم نہیں لیا جاتا۔ اس ملاقات کے بعد ہم فاروق کے گھر آ گئے۔ رات کو فاروق اور اس کی بیگم ہمارے ساتھ ذکر میں شریک ہوئے۔

سترہ جون کو صبح ناشتے کے بعد فاروق کی کار میں ہیوسٹن پہنچے۔ جناب لک صاحب بھی پہنچ چکے تھے۔ ہیوسٹن کی اسلامک سوسائٹی ماشاء اللہ بہت مضبوط اور فعال تنظیم ہے۔ ان کی کوششوں کی وجہ سے ٹیکساس سٹیٹ کے قوانین میں مسلم قوانین کو بھی جگہ دی گئی ہے آج کل زکوٰۃ اور وصیت کا قانون ان میں شامل کرانے کی کوشش ہو رہی ہے۔ سوسائٹی نے کافی ساری زمین ایک بڑی مسجد اور سکول کے لیے خریدی ہے۔ جناب لک صاحب کے دوست فاروق صاحب جو اس سوسائٹی کے صدر اور رُوحِ رواں ہیں ہمارے میزبان تھے۔ شام کو ان سے ملاقات ہوئی اور مختلف موضوعات پر بات چیت ہوتی رہی۔ زاہد صاحب شام پانچ بجے شکاگو تشریف لے گئے۔ رات تقریباً بارہ بجے تک نشست رہی۔

اٹھارہ جون کو صبح کی نماز کے بعد حضرت الیکم نے درسِ قرآن دیا۔ اس پُرتاثیر خطاب کے ماشاء اللہ بڑے مثبت نتائج مرتب ہوئے۔ خصوصاً دونوں فاروق صاحبان بہت متاثر ہوئے۔ شام کو مغرب کی نماز اسلامک سوسائٹی کے ایک کمیونٹی سینٹر کی مسجد میں ادا کی۔ اس کے بعد حضرت مدظلہ العالی نے درسِ قرآن دیا۔ پھر سوال و جواب کا پیریڈ ہوا۔ اس میں زیادہ تر سوال خواتین نے کیے۔ شرعی مسائل اور تصوف سے متعلق بڑے اچھے سوال پوچھے گئے۔ اسلام کی ترویج اور اسلامی اقدار کے فروغ کے لیے سوسائٹی کی کاوش یقیناً قابلِ تعریف ہے۔ رات کا کھانا فاروق صاحب کے بھائی جہانگیر کے ہاں کھایا۔

انیس جون کو جمعہ تھا۔ ہمارا خیال تھا کہ ہیوسٹن سے صبح ناشتے کے بعد روانہ ہوں اور رات فاروق کے ہاں ڈیلس میں قیام ہو۔ مگر فاروق صاحب نہ مانے — اور اصرار کیا کہ حضرت وہاں کی مرکزی مسجد میں خطاب فرمائیں اور جمعہ کی نماز پڑھائیں — ہم دن کو

NASA دیکھنے چلے گئے اور وہاں سے سیدھے مسجد پہنچے۔ حضرت مدظلہ العالی نے انگریزی میں خطاب فرمایا۔ آپ نے "محمد رسول اللہ" کی تفسیر بیان کی اور مسلمانوں میں تنظیم کی اہمیت اور افادیت پر روشنی ڈالی۔ تمام حاضرین نے بڑے غور اور توجہ سے یہ خطاب سُنا۔ چار بجے ہوسٹن کو خدا حافظ کہا۔ جناب لک صاحب وہیں ٹھہر گئے۔ ہم تقریباً عشاء کے وقت فاروق کے گھر فورٹ ورتھ پہنچے۔ بیس جون کی صبح واپسی تھی۔ ایرپورٹ کو جاتے جاتے حضرت مدظلہ العالی سے اجازت لے کر میں نے مزید چند روز قیام کا پروگرام بنایا۔ آپ کو خدا حافظ کہہ کر فاروق اور میں گھر آ گئے۔

حضرت مدظلہ العالی اسی شام نیویارک سے لندن روانہ ہو گئے اور وہاں چند روز قیام کے بعد ۲۵ جون کو بخیریت مینارہ مراجعت فرمائی۔ اور یہ قافلۂ دل اپنی منزل کو پہنچا۔ میں وہاں مزید ایک ہفتہ رہا۔ فاروق اور میں سان فرانسسکو بھی گئے۔ وہاں مختلف صوفی گروپوں سے ملاقات کی۔ انہیں اس مبارک سلسلے کی طرف دعوت دی۔ ان میں سے کچھ ہمارے ساتھ حلقۂ ذکر میں بھی شامل ہوتے رہے۔ میں وہاں سے ۲۷ جون کو روانہ ہو کر ۲۸ کو لندن پہنچا اور ۳۰ جون کی صبح واپس اسلام آباد آ گیا۔ ہوائی اڈہ سے سیدھا دارالعرفان آیا۔ اپنے سفر کی روئے داد حضرت کو سنا کر رات دس بجے کے قریب واپس پشاور پہنچ گیا اور یوں یہ مبارک سفر الحمدللہ بخیر و عافیت اپنی تمام برکات کے ساتھ اختتام پذیر ہوا

---

## بقیہ: باتیں ان کی خوشبو خوشبو

قلب ہے۔ سمع و بصر رکھنے والا قلب ہے۔ ماخوذ قلب ہے باقی بدن سے اس کا تعلق تدبر و تصرف کا ہے۔ آنکھیں اور کان قلب کے جاسوس ہیں زبان قلب کی ترجمان ہے۔ اصل انسان اور بدن کا بادشاہ قلب ہے۔

فرمایا: محلِ تقویٰ قلب ہے — ارشادِ باری ہے ترجمہ: "یہ وہ لوگ ہیں جن کے قلوب کو اللہ تعالیٰ نے تقویٰ کے لیے خالص کر دیا ہے۔"

فرمایا: مخاطب اور محل وحی قلب ہے۔ ارشادِ باری ہے "اس قرآن کو آپ کے قلب پر اُتارا" مزید ارشادِ ربانی ہے: "تحقیق اس میں اس شخص کے لیے بڑی نصیحت ہے۔ جس کے پاس قلب ہے۔

فرمایا: علاج قلب اور غذائے قلب عارفین کاملین کے بغیر کہیں سے نہیں ملتی۔ اس کے علاج کا نسخہ ان کے پاس ہوتا ہے۔ ذکرِ الٰہی۔ ارشادِ باری ہے،

ترجمہ: "ذکرِ الٰہی سے ہی قلوب مطمئن ہوتے ہیں۔"

حافظ عبدالرزاق

# اِسلام عورت سے کیا چاہتا ہے؟

## (تصویر کا دوسرا رُخ)

"المرشد" شمارہ جولائی ۸۷ء میں "اسلام عورت سے کیا چاہتا ہے" کے عنوان کے تحت ایک مضمون طبع ہُوا۔ ایک عزیزہ نے اسے بڑی دقتِ نظر سے پڑھا اور اس کے متعلق اپنے جذبات کا اظہار کیا جو ایک طویل مکتوب کی صورت میں موصول ہُوا۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ "اس عنوان کے تحت لکھنے والا اگر مرد ہو تو وہ اس کے بغیر اور لکھ ہی کیا سکتا ہے" پھر ایک سوال یہ تھا کہ "کیا مرد سے بھی اسلام کا کچھ مطالبہ ہے؟" تو عزیزہ کے اس سوال کا جواب پیش کیا جا رہا ہے

(ادارہ)

صانع حقیقی کی صنعت — یہ وسیع کائنات — چار قسم کی مخلوق کی صورت میں پھیلی ہوئی نظر آتی ہے۔ یعنی جمادات، نباتات، حیوانات اور انسان۔ شعور، عقل، ارادہ اور اسی قبیل کی دوسری صلاحیتوں کے اعتبار سے ان ہر چہار اقسام میں جو فرق تخلیقی طور پر پایا

جاتا ہے اس کی وجہ سے ان کی حیثیت مقام اور درجہ میں لازمی طور پر تفاوت پایا جاتا ہے۔ ان کی وجہ سے ان کی حیثیت مقام اور درجہ میں لازمی طور پر تفاوت پایا جاتا ہے۔ جس کی تعیین خود صانع حقیقی نے بنیادی طور پر یوں فرمادی ہے کہ وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ جَمِيْعًا مِّنْهُ ۔" یعنی اے انسان! خالق نے زمین و آسمان کی ساری مخلوق تیری خدمت پر لگا رکھی ہے" اس سے صاف ظاہر ہے کہ خالق کائنات نے انسان کو اشرف المخلوقات کے منصب پر فائز فرمادیا ہے — اس بناء پر اسلام کے احکام ہدایات اور تعلیمات کا مخاطب انسان ہی ہے۔

خادم اور مخدوم کی اس تقسیم سے اس امر کا نشان بھی ملتا ہے کہ خدمت کا عمل دو قسم کا ہے۔ ایک خالق کے قانون تکوینی کے ماتحت جو چیز جس خدمت پر لگا دی گئی ہے وہ پوری باقاعدگی اور پابندی سے اپنا فریضہ سرانجام دے رہی ہے۔ مثلاً سورج، چاند ستارے ہوا، مٹی، پانی وغیرہ ہر چیز تکوینی قانون کے تحت انسان کی خدمت میں مصروف ہے۔ دوسری قسم وہ ہے جس میں انسان کے ارادے اس کی پسند اور اس کی سوچ کو دخل ہے اس کے لیے ضرورت اس بات کی تھی کہ اس مشین کا موجد خود اس سے کام لینے کا سلیقہ سکھائے چنانچہ اس غرض کو پورا کرنے کے لیے خالق انسان نے انسان کو اس مشین سے کام لینے کا اس باقاعدگی سے اہتمام فرمایا کہ مختلف اوقات اور مختلف ممالک میں اس نے ایک دو نہیں ہزاروں ایسے برگزیدہ انسان متعین فرمائے جو خالق کی دی ہوئی کتاب ہدایت کے مطابق انسان بن کر زندگی بسر کرنے کا سلیقہ سکھاتے رہے اور تہذیب و تمدن کے اعتبار سے انسانیت جوں جوں ترقی کرتی گئی اسی کے مطابق ہر دور میں نئی نئی ہدایات ملتی رہیں۔ حتیٰ کہ جب انسانیت سن بلوغ کو پہنچ گئی تو خالق کی طرف سے ایک جامع مکمل اور ابدی ہدایت نامہ قرآن کریم کے نام سے اس برگزیدہ بندے کے ذریعے انسانیت کو پہنچایا گیا جس کے بعد کسی معلم کی ضرورت باقی نہ رہی اور نہ اس کتاب کے بعد کسی کتاب ہدایت کی احتیاج باقی رہی۔

اللہ کی اس آخری کتاب میں تعلیم و تربیت کا انداز کچھ یوں اختیار کیا گیا ہے کہ:

یٰاَیُّھَا النَّاس کے الفاظ سے پوری نوعِ انسانیت کو خطاب کیا گیا ہے۔ اور پورے قرآنِ حکیم میں یہ خطاب ۱۸ مرتبہ کیا گیا۔ اس میں جو بنیادی ہدایت مختلف اسلوبِ بیان اختیار کر کے مختلف مقامات پر دی گئی ہے۔ اِس کا خلاصہ سورہ بقرہ کی آیت نمبر ۲۱ میں بیان کر دیا گیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

"اے بنی نوع انسان! اپنے پروردگار کی بات دل سے مانو جس نے تمہیں پیدا کیا اور ان لوگوں کو بھی پیدا کیا جو تم سے پہلے گذر چکے ہیں۔"

صرف یہ ہدایت دینے پر اکتفا نہیں فرمایا بلکہ اس حکم کی تعمیل کا نتیجہ اور اس کی افادیت بھی بتا دی کہ اگر ایسا کرو گے تو تمہارے اندر "احتیاط" سے جینے کا وصف پیدا ہو جائے گا۔ جس کا اصطلاحی نام تقویٰ ہے۔

احتیاط کی حقیقت کیا ہے؟ یہی کہ ہر مفید کام کرنے کا جذبہ پیدا ہو اور ہر مضر کام سے نفرت ہونے لگے۔ ہر مفید چیز کے حصول کا شوق اور لگن پیدا ہو اور ہر مضر چیز سے بچنے اور دور رہنے کی ہمت اور ارادہ پیدا ہو۔

یہاں ایک اُلجھن پیدا ہوتی ہے کہ مفید اور مضر دونوں کلی مشکک یعنی اعتباری ——— (RELATIVE TERMS) ہیں۔ اس بات کا فیصلہ کیسے ہو کہ کوئی چیز حتمی طور پر مفید یا مضر ہے۔ تو اس کا فیصلہ آسان ہے کہ جب کوئی موجد کوئی مشین ایجاد کرتا ہے تو اس کے استعمال کے لیے ایک کتابچہ ساتھ ہی تیار کر دیتا ہے۔ اس کتابچہ میں مفید اور مضر کی جو تعیین وہ کر دیتا ہے کسی کو اس میں کلام نہیں ہوتا کیونکہ موجد کی فنی مہارت پر کامل اعتماد ہوتا ہے۔ اسی اصول کے تحت یہاں بھی اس سلسلے میں کائنات کے موجد پر اعتماد کرنے سے یہ مسئلہ حل ہو جاتا ہے

مفید اور مضر کے سلسلے میں اس نے ایک حقیقت کا اظہار فرمایا کہ تمہاری زندگی کے دو دور ہیں۔ ایک یہاں جو نہایت مختصر سا ہے اور دوسرا اس کے بعد جو نہ ختم ہونے والا ہے۔ یہاں کی لذت اور آرام بھی عارضی، دُکھ اور مصیبت بھی چند روزہ اور وہاں کی راحت اور خوشی بھی ابدی — رنج و الم بھی ابدی — لہٰذا جو عقل میں نے تمہیں دی ہے اس کا تقاضا یہ ہے کہ ابدی راحت کی خاطر وقتی اور

عارضی تکلیف برداشت کر لینا گھاٹے کا سودا نہیں اور اس نے یہ اعلان کر دیا ہے، کہ: وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ۔ پس معلوم ہوا کہ مفید وہ کام ہے جس کے کرنے سے ابدی راحت میسّر آنے کی توقع ہو اور مضر وہ ہے جس کے کرنے سے انسان دائمی مصیبت میں مبتلا ہو۔ ظاہر ہے کہ اس ہدایت سے بڑھ کر انسانیت کی خیر خواہی اور کیا ہو سکتی ہے۔

(۲) پھر جن لوگوں نے خالق کی اس ہدایت کی صداقت، حقانیت اور افادیت کو سچے دل سے قبول کر لیا، ان کی تعلیم و تربیت کے سلسلے میں انہیں يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا کے الفاظ سے خطاب کر کے مختلف ہدایات دی گئیں اور ان الفاظ سے ان لوگوں کو ۹۰ مرتبہ خطاب کر کے جینے کا سلیقہ اور محاظ زندگی بسر کرنے کا طریقہ سکھایا گیا۔ ان لوگوں کی تعلیم و تربیت کا اتنا اہتمام کیا گیا کہ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا کا ذکر قرآنِ حکیم میں ۲۵۸ مقامات پر آیا ہے۔

(۳) انسانی معاشرہ دو صنفوں یعنی مرد اور عورت سے مرکب ہے۔ اس لیے اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا کو خطاب کرتے ہوئے جو ہدایات دی گئیں ہیں ان کی تین صورتیں ہیں۔

اوّل وہ ہدایات جن میں مرد اور عورت دونوں مخاطب ہیں، دوم وہ ہدایات جن میں صرف مرد ہیں۔ سوم وہ جن میں صرف عورتیں مخاطب ہیں۔

تیسری قسم یعنی عورتوں کی تعلیم و تربیت کے سلسلے میں جو احکام اور ہدایات دی گئیں ہیں ان میں سے بنیادی اور اصولی قسم کے احکام کا ذکر "اسلام عورت سے کیا چاہتا ہے" کے عنوان کے تحت طبع شدہ مضمون میں ہو چکا ہے۔ اب ہم دوسری قسم کے احکام میں سے چند بنیادی باتیں پیش کریں گے جو مردوں سے متعلق ہیں۔

انسان مدنی بالطبع واقع ہوا یعنی مِل جُل کے رہنا اس کی فطرت کا تقاضا ہے۔ مِل جُل کے رہنے کا نام معاشرتی زندگی ہے۔ معاشرہ کی بنیادی اکائی کنبہ۔ خاندان یا گھر ہے۔ اور ظاہر ہے کہ کنبہ یا گھر میں کئی افراد ہوتے ہیں اور نظم و ضبط کا تقاضا یہ ہے کہ جہاں کئی افراد اکٹھے رہتے ہوں وہاں تقسیم کار کا اصول کارفرما ہونا چاہیئے۔ اور یہ اصول اپنی افادیت اس وقت ظاہر کرتا ہے،

جب کوئی ایسا فرد بھی موجود ہو جو نگرانی بھی کرے رہنمائی بھی کرے اور کام کی پڑتال بھی کرے اور غلطیوں کی اصلاح بھی کرے۔ یہ ایک ایسی مسلمہ حقیقت ہے جس سے انکار کی گنجائش نہیں۔ کوئی ادارہ۔ کوئی کارخانہ کوئی مدرسہ اس وقت چل نہیں سکتا جب تک کوئی اس کا انچارج نہ ہو جو پالیسی بھی بنائے نگرانی بھی کرے۔ کام کرے بھی اور کام لے بھی۔ اس عالمگیر اصول کو سامنے رکھتے ہوئے گھر کا جائزہ لیجئے۔ گھر یا کنبہ کی بنیاد اس وقت پڑتی ہے جب ایک مرد اور ایک عورت شوہر اور بیوی کی حیثیت سے ایک جگہ اکٹھا رہنا شروع کر دیتے ہیں۔ پھر ان سے آگے افراد کی تعداد میں اضافہ ہونے لگتا ہے جب ان کی اولاد بڑھنا شروع ہوتی ہے۔ اب یہاں پہلی ضرورت یہ ہے۔ شوہر اور بیوی میں سے انچارج یا نگران کار کون ہو۔ اس سلسلے میں ہمارے ائمہ اجتہاد نے ایک طویل فہرست دی ہے۔ مثلاً انسانیت کی رہنمائی کے لیے نبوت اور خلافت دو مستقل ادارے ہیں۔ ان پر ہمیشہ مرد ہی فائز رہے ہیں۔ پھر نماز با جماعت کی امامت ہے، یہ بھی مردوں کے لیے مخصوص ہے۔ نماز کے لیے اذان اور جمعہ کی خطابت اس پر بھی ہمیشہ مرد ہی فائز رہے۔ ان حقائق سے معلوم ہوتا ہے کہ مرد تخلیقی طور پر انچارج یا نگران کار بننے کی صلاحیت لے کے آیا ہے۔ ان حقائق کے پیشِ نظر اب اسلامی اصول اور خدائی قانون اَلرِّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَاءِ کے سمجھنے میں غالباً کوئی دقت نہ ہوگی۔ لغت کے اعتبار سے قوّامون کے معنی سرپرست، مصلح، برتر۔ تفسیر مدارک میں اس کے معنی مسلّط، حاکم، آمر، ناہی اور خازن لکھے ہیں۔ المنجد میں المتکفل بالامر، القوی علی القیام بالامر اور الامیر لکھے ہیں۔ اور مفردات امام راغب اصفہانی میں راعی، محافظ اور نگہبان لکھے ہیں۔

گھر اور کنبے کے فرائض پر غور کیا جائے تو یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ گھر دراصل انسان سازی کا کارخانہ ہے، مدرسہ ہے، تربیت گاہ ہے۔ غرض کیا نہیں ہے۔ اس لیے اس کا انچارج وہ ہونا چاہیئے جو سربراہ بھی ہو، نگران بھی ہو، محافظ بھی ہو، راہنما بھی ہو۔ مصلح بھی ہو با اختیار بھی ہو۔ ان سب امور کی صلاحیت تخلیقی طور پر اللہ کریم نے مرد میں ہی

رکھی ہے۔ لہٰذا گھر اور کنبے کا سرپرست اور محافظ مرد ہی ہو سکتا ہے۔

اِس تفصیل اور تشریح کے باوجود موجودہ حالات کے مطابق اندیشہ ہے کہ ہمارے معاشرے کی "بیگمات" کی قسم کی مخلوق بے دھڑک کہہ دے گی کہ یہ مولویوں کے ڈھکوسلے ہیں۔ مرد اور عورت مساوی ہیں۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ موجودہ میڈیکل سائنس سے بھی فتویٰ حاصل کر لیا جائے۔ چنانچہ میڈیکل سائنس میں ماہرین نے ریسرچ کر کے اس سلسلے میں جو اعداد و شمار دیئے ہیں ان کی تفصیل یہ ہے:۔

(۱) عورت کی جسمانی ترکیب بچے کی جسمانی ترکیب کے مشابہ ہے۔ عورت کا حاسہ بچے کی طرح جلد متاثر ہوتا ہے۔

(۲) عورت کے قد کا اوسط طول مرد کے اوسط سے ۱۲ سنٹی میٹر کم ہے۔

(۳) عورت کا اوسط وزن مرد کے اوسط وزن سے ۵ کلو کم ہے۔

(۴) مرد اور عورت کے عضلات کی قوت میں ۲:۱ کی نسبت ہے۔

(۵) عورت کا دل مرد کے دل سے ۶۰ ڈرام چھوٹا اور ضعیف ہوتا ہے۔

(۶) مرد ایک گھنٹہ میں تنفس کے ذریعے ۱۱ ڈرام کاربن جلاتا ہے اور عورت کا ۶ ڈرام۔

(۷) قوت ادراک کا اصلی مرکز "بھیجا" ہے۔ مرد کے بھیجے کا اوسط وزن عورت کے بھیجے سے ۶۰ ڈرام زیادہ ہے۔

(۸) ۲۷۸ مردوں کے دماغ کا وزن کیا گیا۔ سب سے زیادہ ۶۵۔ اوقیہ اور سب سے کم ۳۴۔ اوقیہ اور ۲۹۱ عورتوں کے دماغ کا وزن کیا گیا سب سے زیادہ ۵۴۔ اوقیہ اور سب سے کم ۳۱۔ اوقیہ۔

(۹) مرد کے دماغ کا اوسط وزن ۴۹½ اوقیہ اور عورت ۴۴۔ اوقیہ۔

(التوضیح فی اصول التشریح: ڈاکٹر لوجنا)

ہماری مسلسل اور کئی نسلوں کی غلامی کی وجہ سے یہ عادت بن چکی ہے کہ دین کی بات ماننے میں جھجک ہوتی ہے اور مغربی مفکر کی بات بے دلیل بھی مان لی جاتی ہے۔ اس کی وجہ با دلیل اور بے دلیل ہونا نہیں بلکہ اعتماد اور عدم اعتماد ہے۔

سچ کہا اکبر نے ؎

عرش خدا کے کس طرح قائل ہوں یہ عزیز
جغرافیے میں عرش کا نقشہ نہیں ملا۔

بہرحال میڈیکل سائنس کا بھی یہی فتویٰ ہے۔ تخلیقی صلاحیتوں کے پیشِ نظر مرد ہی اس قابل ہے کہ اسے گھر اور کنبے کا انچارج اور سربراہ سمجھا جائے۔

قرآن کریم نے اَلرِّجَالُ قَوَّامُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ فرما کر صرف ایک حقیقت کا اظہار ہی نہیں فرمایا بلکہ مرد کی ذمہ داریاں اور اس کے فرائض بھی بیان فرما دیے ہیں جو لفظ قوّامون کے معانی سے ظاہر ہیں یعنی سرپرست، سربراہ، محافظ، نگہبان اور مصلح۔ گویا اسلام بنیادی طور پر مرد سے یہ چاہتا ہے کہ وہ گھر اور کنبے کا محافظ، نگہبان مصلح اور سربراہ ہو

مرد کی یہ حیثیت اور منصب متعین کر کے اسلام، مرد کے فرائض اور ذمہ داریاں بیان کرتا ہے اور ان ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کی تاکید کرتا ہے تاکہ ایک پُرامن اور مثالی معاشرہ وجود میں آئے۔

(۱) چونکہ معاشرے کی بنیادی اکائی گھر یا کنبہ ہے اور اس کے لیے ایک مرد اور عورت کے درمیان ایسے تعلق کی ضرورت ہے جو مستقل اور پائدار ہو۔ اس لیے اسلام نے اس تعلق کو نکاح کے نام سے موسوم کر کے مرد کی یہ ذمہ داری قرار دی ہے کہ نکاح کے بغیر زندگی بسر نہ کرے۔ اور یہ بھی دیکھے کہ معاشرے میں کوئی عورت بے نکاح بھی نہ رہنے پائے۔ نکاح کی اہمیت کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ حضورِ اکرم ؐ نے فرمایا کہ "نکاح میری سنت ہے اور جو شخص میری سنت سے روگردانی کرے میرا اس سے کوئی تعلق نہیں۔

(۲) نکاح کا طریقہ اور سکھاتے ہوئے دو شرائط بیان فرمائیں۔ اوّل یہ منکوحہ کا مہر خوشدلی سے فراخدلی سے ادا کرو۔ دوسرا یہ کہ نکاح مستقل شریکِ حیات بنانے کے لیے کرو محض وقتی شہوت رانی کے لیے نہ ہو۔

(۳) مرد کی قوّت، اس کی نفسیات اور تمدنی ضرورت کے پیشِ نظر مرد کو یہاں تک اجازت دی کہ ایک وقت میں چار بیویاں رکھ سکتا ہے بشرطیکہ عدل کا دامن ہاتھ سے نہ جانے دے۔

(۴) عورت کی تخلیق کے مقاصد تین ہیں۔

اوّل تکثیر و بقائے نوعِ انسانی دوم اس کی حفاظت سوم اس کی تربیت۔ یہ تینوں کام اتنے اہم اور ایسے کٹھن اور اتنے وقت طلب اور دقت طلب ہیں کہ جب تک عورت ان کاموں کی طرف پوری توجہ نہ دے اور ہمہ وقتی توجہ نہ دے یہ کماحقہٗ انجام پذیر نہیں ہو سکتے۔ اس لیے اسلام نے مرد کو بحیثیت سربراہ کے حکم دیا ہے۔ کہ عورت پر اس کے علاوہ اور کوئی بوجھ نہ رکھے۔ اور کوئی ذمہ داری نہ سونپے۔

(۵) گھر عورت کی لیبارٹری ہے اور فیکٹری ہے جہاں اُس نے انسان تیار کرنے ہیں۔ اس لیے اس کی توجہ کہیں بٹ گئی اور لیبارٹری سے باہر کی کوئی چیز یا شغل اس کی توجہات کا مرکز بن گیا تو یہ بیچاری اس زائد بوجھ تلے دب جائے گی۔ لہٰذا مرد کے ذمہ یہ فرض ہے کہ اس کی ذات اور اس کے مشن کی حفاظت کرے کیونکہ اسے محافظ بنایا گیا ہے۔ جہاں تک اس کی ذات کا تعلق ہے اس کی عظمت عفت اور حیا یہی اس کا ذاتی سرمایہ ہے یہ کہیں لُٹنے نہ پائے اور جہاں تک اس کے مشن کا تعلق ہے بقائے نوع انسانی اس کی حفاظت اور اس کی تربیت کے کام میں کوئی نقص اور کمی نہ آنے دے۔ اس لیے اسلام نے نبی کریم کو مخاطب کرکے مرد کو یہ حکم دیا ہے کہ عورت کو اپنے معمل یعنی لیبارٹری سے بے دخل کرکے باہر نہ گھسیٹے اور اسے مصیبت سے بچائے کہ وہ اپنے فرائضِ منصبی سے غافل ہو کر مرد کی ہوس کو پورا کرنے کے لیے بن ٹھن کے باہر نکل کھڑی ہو دعوت نظارہ اور دعوت گناہ دے وہ خود اپنے آپ کو اور مرد کو آوارہ نگاہی، فحاشی، اور عریانی کی تباہی کی طرف لے جائے۔

(۶) مرد کی ذمہ داری ہے کہ عورت کو فکرِ معاش سے آزاد رکھے۔ کیونکہ اس کے فرائض اس نوعیت کے ہیں کہ وہ اپنے فرائض سے دست بردار ہوئے بغیر کسی اور طرف توجہ نہیں دے سکتی۔

(۷) مرد چونکہ محافظ ہے اس لیے داخلی اور خارجی ہر اعتبار سے حفاظت کرنا اس کے فرائض میں داخل ہے۔ داخلی یہ کہ کوئی نظریہ کوئی تحریک کوئی فرد عورت

کو اس کے فرائض سے غافل نہ کرنے پائے اور خارجی یہ کہ کوئی بیرونی دشمن حملہ آور نہ ہو سکے۔

(۸) مرد کی ذمہ داری ہے کہ وہ خود اپنے آپ کو اور اہل و عیال کو جہنم سے بچائے اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ انہیں دین اور اس کے تقاضوں سے علمی طور پر آشنا کرے اور یہ نگرانی کرتا رہے کہ ان کی عملی زندگی دین کے تقاضوں کے مطابق بسر ہو اور جہنم سے بچنے کی تدبیر کا ذکر کرتے ہوئے قرآن کریم نے سورۃ الاحزاب میں دس ایسی صفات بتائی ہیں جو مرد کو اپنے آپ میں اور گھر کے افراد میں پیدا کرنی ہیں۔

۱۔ اللہ کے حکم کے سامنے سر تسلیم خم کرنا۔
۲۔ دل کی گہرائیوں میں اللہ پر ایمان اور یقین رکھنا۔
۳۔ عملاً فرمانبرداری کرنا۔
۴۔ راستبازی۔
۵۔ صبر
۶۔ فروتنی اور خشوع و خضوع۔
۷۔ محتاجوں کی مالی مدد کرنا
۸۔ پابندی سے روزے رکھنا۔
۹۔ اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنا۔
۱۰۔ اللہ کو کثرت سے یاد کرنا۔

ان ہدایات میں سلبی اور ایجابی، انفرادی اور اجتماعی، فکری اور عملی، جسمانی اور روحانی ہر بنیادی ضرورت کا خیال رکھا گیا ہے۔

یہ ان مطالبات کی مختصر سی اور بنیادی نوعیت کی فہرست ہے جو اسلام نے مردوں سے کیے ہیں۔

اس دور کی سب سے بڑی ضرورت اطمینان و سکون قلبی ہے۔ انسان کے پاس زندگی کی ہر ضرورت کو پورا کرنے کا سامان موجود ہے مگر وہ امن اور اطمینان کے لیے ترس گیا ہے دنیا کے کسی خطے میں اسے میسر نہیں آ رہا۔ اس کی بنیادی وجہ غالباً وہی ہے جو ایک مغربی مفکر "لی کامٹ ڈونوائے" نے بیان کی ہے کہ: "موجودہ بے اطمینانی کلیتاً اس امر کی بدولت ہے کہ ذہانت نے اس سائنس کا سہارا لے کر جو ابھی خود عالم طفولیت میں ہے، ان عقیدوں کو تباہ کر دیا ہے۔ جن کی بدولت فرد کی زندگی کا کوئی مفہوم تھا۔ اس کی جدوجہد کے لیے ایک وجہ پیدا ہوتی تھی اور ایک اعلیٰ

مقصد کو حاصل کرنے کے لیے ایک ترغیب ہوتی تھی۔ یہ تھے مذہبی عقائد۔ اس غار تگری کا نتیجہ یہ ہے، کہ انسان کو زندہ رہنے کے لیے اب کوئی معقول وجہ نظر نہیں آتی۔"

(HUMAN DESTINY)

وہ جو مذہب کے نام ہی سے بیزار ہیں ان کے متعلق تو کچھ کہنے کی حاجت نہیں۔ رونا تو یہ ہے کہ جو مذہب کے دعویدار بلکہ ٹھیکیدار ہیں وہ مذہبی ہو کر لامذہب ہیں۔

سچ کہا ترجمانِ حقیقت نے ؎

چہ گوئمت زمسلمانِ نامسلمانے
جز ایں کہ پورِ خلیل است و آذری

(یعنی میں تمہیں اس کے متعلق کیا کہوں، جو مسلمان ہو کر نامسلمان ہے سوائے اس کے اور کیا کہہ سکتا ہوں کہ یہ اپنا رشتہ اور سلسلہ تو ابراہیم خلیل اللہ سے جوڑتا ہے مگر اس کا پیشہ بُت گری اور بُت پرستی ہے۔)

اس پُر فتن اور پُر آشوب زندگی میں ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ مرد نے اور بحیثیت مسلمان مرد اپنے فطری اور اسلامی فرائض سے کیا سلوک کیا ہے۔

(۱) نکاح :-

نکاح کے تقدس کو پامال کرنے کے لیے مرد نے یہاں تک اہتمام کیا کہ نکاح سے فرار کو مذہبی فریضہ بنا کے پیش کیا تاکہ مرد کی ہوس رانی کا محدود نہ ہونے پائے۔ بلکہ وسیع سے وسیع تر ہوتا چلا جائے۔ چنانچہ مغرب کے ایک یہودی نے یہ عقیدہ ایجاد کر کے رائج کیا کہ عورت کی حیثیت "شاملات دیہہ" کی ہے۔ جو چاہے جہاں چاہے اپنی ہوس پوری کرنے کے لیے اسے استعمال کرے۔ اس ازم کا کوئی نام رکھ دو۔ بہر حال یہ عقیدہ بطور مذہب ہی پھیلایا گیا۔ اس کے مقابلے میں ایک مشرقی یہودی نے نکاح کے مقابل زنا کو نہایت اونچے درجے کی عبادت قرار دیا۔ ہر عبادت کرنے والا زیادہ سے زیادہ زاہد و عابد ہی ہو سکتا ہے۔ مگر اس عبادت سے انسان رسول کے درجے کے برابر ہو جاتا ہے اور پھر اس کا دائرہ اتنا وسیع کر دیا کہ چار نہیں خواہ ہزار عورت سے کرے اور پھر اتنا سستا کر دیا کہ یہ چند گھنٹوں کا معاہدہ جلانے کی ایک لکڑی کے عوض ہو سکتا ہے جسے پنجابی میں "چواتی"

کہتے ہیں۔

اور پھر مرد کی خاطر اتنا اہتمام کر دیا کہ یہ وقتی تعلق ایک وقت میں ایک عورت کا کئی مردوں سے ہو سکتا ہے۔ اس مذہب میں ایک دانشورانہ فنکاری سے کام لیا گیا ہے۔ زنا کا لیبل بدل دیا گیا ہے اور اس کا نام متعہ رکھ دیا گیا اور جب یہ عبادت اجتماعی طور پر کی جائے تو اس کا نام متعہ دور یہ ہے۔ اس میں اور "غیر مسافحین" کی جو گت بنائی گئی وہ مرد کی جرأت رندانہ کا مظہر ہے۔

۲۔ اسلام نے مرد کی فطری ساخت اور تمدنی ضرورتوں کے تحت، چار تک نکاح کرنے کی اجازت دی۔ مگر مرد نے اس چار کی پابندی کو بھی اپنے لیے بوجھ سمجھا مگر بھولی بھالی مخلوق عورت کا ناصح مشفق اور خیر خواہ بن کر یہ دعویٰ کر دیا کہ نہیں ایک سے زیادہ کی اجازت نہیں یہ عورت پر ظلم ہے۔ اس اداکاری کے اندر جھانک کر دیکھئے تو آپ کو معلوم ہو گا کہ مرد نے بڑی فنکاری سے یہ نظریہ تیار کیا ہے ـــــ اصل یہ ہے کہ نکاح کے ساتھ مرد پر کچھ فرائض عائد ہوتے ہیں عدم نکاح کی صورت میں ان فرائض سے بچ جاتا ہے اور نہایت آزادی سے ہوس رانی کا موقع مل جاتا ہے۔ اسی حقیقت کو فرنچ سکالر موسیو لیبان نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے:۔

"مجھے معلوم نہیں ہوتا کہ مشرقیوں کا جائز تعدد ازدواج کس امر میں مغربیوں کے ناجائز تعدد ازدواج سے کمتر سمجھا جاتا ہے۔ بلکہ میں یہ کہوں گا کہ اول کو ہر طرح دوسرے پر ترجیح دی جائے۔"

(تمدن عرب۔ لیبان)

۳۔ عورت کی تخلیق کا مقصد بقائے نوع، اولاد کی حفاظت اور تربیت ہے۔ مرد نے عورت کو اس فطری فریضہ سے بیزار کرنے کے لیے اسے مرد عورت کی مساوات کا سبق دے کر اپنے گھر سے باہر نکالا تاکہ اس کی ہوس کو پورا کرنے کا سامان ہو سکے۔ پھر اسی پر بس نہیں اسے اپنے مقصدِ تخلیق سے متنفر کرنے کے لیے اسے مرد عورت کی مساوات کا جس کے کئی مدارج ہیں ـــــ اوّل اوّل اس کا نام ضبطِ ولادت، برتھ کنٹرول رکھا اور ملکہ موسیقی سے لوری دلوائی" وقفہ بہت ضروری ہے۔" پھر اس کا نام فیملی پلاننگ رکھا تاکہ

اس کے اندر کشش پیدا ہو۔ پھر اس کا نام بہبودِ آبادی رکھ دیا۔ اس کی اہمیت کا اندازہ اس امر سے کیجیے کہ اس کے پروپیگنڈا پر لاکھوں روپے خرچ ہوتے ہیں۔ ہر اخبار میں ملک کے ہر موڑ میں ہر زبان میں آپ کو اس قسم کی نصیحتیں ملیں گی "خوشحال گھرانہ"۔ "لک ماشو مان لگ غم"۔ "زیادہ بال بڑا جنجال" وغیرہ۔ جس رفتار سے یہ تحریک چل رہی ہے بعید نہیں کہ پیشہ ور بھک منگے اپنی صدا بدلنے پر مجبور ہو جائیں یعنی اب جو کہتے ہیں "شالا بچے جیوے"۔ پھر وہ صدا لگائیں گے "شالا بچے مریں"۔ "تھوڑے ہوتے سو سکھے رہو" اور عورت اس کے بھرے میں آگئی ہے کہ نس بندی پر آمادہ نہیں فریفتہ ہے۔ یہ نہیں جانتی کہ اس میں بھی مرد کی فن کاری کو دخل ہے کہ اس کی ہوس رانی میں فرق نہ آئے اور ذمہ داریوں سے جان بچی رہے۔ یوں لگتا ہے مرد بالکل حیوان کی سطح پر اتر آیا ہے۔

(۴) عورت کے فرائض سہ گانہ کا تقاضا ہے کہ کسی وقت یہ انسان سازی کی فیکٹری اس کی توجہ اور نگرانی سے محروم نہ رہے۔ مگر مرد کی ہوس کا تقاضا کچھ اور تھا۔ اس نے عورت کو پٹی پڑھائی کہ تجھے قید کر دیا گیا حالانکہ تو فطرتاً آزاد ہے۔ یہ تدبیر کارگر ثابت ہوئی اور مرد نے عورت کو "قید" سے نکال کر وہاں پہنچا دیا جس کا تصور بھی شرفِ انسانیت کے منافی ہے۔ مرد نے یہ تدبیر جس چابکدستی سے استعمال کی۔ اس کا اندازہ کرنا ہو تو سینما کی دنیا کا ذرا سا تنقیدی جائزہ لیجیے پھر دیکھیے کہ مرد نے عورت کی نفسیات سے کس فنکارانہ طریقہ سے کام لیا۔

مثلاً:

(۱) پہلے اسے گھر سے نکلنے کی دعوت دی۔ اور طبلے کی تھاپ پر اسے گیت سنایا:

ذرا سامنے تو آؤ چھلیے،

(۲) عورت نے یہ دعوت سنی مگر اس کے مزاج میں انفعالیت ہے اس لیے اس دعوت پر فوراً گھر سے نکلنا گوارا نہ کیا۔ اس لیے مرد نے عورت کی زبان سے یہ نغمہ سنوایا:

آجا چوری آجا چوری

مگر گھر میں بیٹھے ہوئے اسی ادھیڑ بن اور سوچ و بچار میں رہی۔ چنانچہ مرد نے ایک اور گیت سکھایا کہ اسی میں مگن رہے:

بتی بال کے بنیرے اُتے رکھنی آں
راہ بھل نہ جائے ماہی میرا

(۳) اب گویا عورت گھر سے نکلنے پر آمادہ ہوتی نظر آئی۔ تو ایک اور گیت کی لوری دی گئی :

پیار کیا کوئی چوری نہیں کی
چھپ چھپ آہیں بھرنا کیا
جب پیار کیا تو ڈرنا کیا

یعنی مرد نے عورت کو وہاں پہنچا دیا کہ اس کی حقیقی دولت شرم و حیا ٹک ٹک دیدم دم نکشیدم کی تصویر بن کے رہ گئے۔ مرد خوش ہوا کہ میدان مار لیا۔

(۴) ایک درجہ باقی رہ گیا سو وہاں پہنچانے کے لیے مرد نے ایک اور خوراک دی :

راجہ کی آئے گی بارات مگن میں ناچوں گی

یعنی گھر سے باہر نکلی، بن ٹھن کے نکلی۔ پھر زبان کا جادو چلا۔ پھر تھرکنے اور ناچنے تک نوبت آئی۔ اور اس عمل میں کشش پیدا کرنے کے لیے مرد نے ایک اور تدبیر اختیار کی۔ مرد کو احساس تھا کہ یہ وہ غلاظت ہے جس کا تعلق ان الفاظ سے ظاہر ہے جو اُن کاموں کے لیے استعمال ہوتے تھے مثلاً ڈوم۔ بھانڈ۔ کنجر۔ نقلیے۔ ناچے وغیرہ۔

مرد نے اس غلاظت پر ناموں کا ایک پُرکشش غلاف چڑھایا اور ان کو اداکار، گلوکار، علم سٹار، فن کار، ہدایت کار وغیرہ پُرفریب نام دے دیئے تاکہ کسی وقت بھی خوابیدہ ضمیر انگڑائی نہ لینے لگے۔

شیطان کو ہے سوجھتی ہر دم نئی نئی
گو ہے سیاہ کار پہ روشن دماغ ہے

اسی پر بس نہیں مرد نے منصبِ اقتدار کی بلندیوں سے ان مختلف "کاروں"، پر تمغوں، انعاموں اور ایوارڈ کی بارش کر دی۔ اور مرد مسلمان نے بسم اللہ پڑھ کے گویا یہ اعلان کیا کہ تم نے محمد رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی مخالفت اور توہین کرنے میں جس جرأتِ رندانہ سے کام لیا ہم اس کی تعریف کرتے ہیں۔ اور تمہیں ہر انعام اور لقب کا مستحق قرار دیتے ہیں۔ اکبر نے جس موہوم خطرے کی نشاندہی کی تھی وہ ایک حقیقت بن کے سامنے آ گیا۔

عجب نہیں کہ رہے نیک و بد میں کچھ نہ تمیز
کہ جو بدی ہے وہ سانچے میں ڈھلتی جاتی ہے

مرد کی اس پُرکاری اور فسوں کاری کا اثر یہ

ہُوا کہ ان خاندانوں کی خواتین جو معاشرے میں نہایت عزّت و احترام کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں یہ محسوس کرنے لگیں کہ :

پھرتے ہیں میر خوار کوئی پوچھتا نہیں

اس دور میں تو عزّت سادات بھی گئی

چنانچہ ان "کاروں" کے ساتھ اپنے آپ کو وابستہ کرنے میں فخر محسوس کرنے لگیں اور لطف یہ کہ اپنے نام کے ساتھ "سیّد" کا لفظ لکھنے کا خاص اہتمام کیا۔ نہ جانے اس سے سیادت کی تحقیر مقصود ہے یا "کاری" کی عظمت کا اظہار ہے۔ بڑوں کی باتیں بڑے ہی سمجھیں۔

اس پیشے کو کیا خوب اسلامایا گیا ہے ایک فن کارہ کہتی ہیں "میں تو وضو کر کے فن کا اظہار کرتی ہوں"۔ ممکن ہے کل کوئی دوسری فن کارہ یہ بھی کہہ دے کہ "میں 'طہارت' کر کے فن کا اظہار کرتی ہوں"۔

(۵) ہر قوم کا نظامِ تعلیم اور نصابِ تعلیم قوم کے نصب العین سے صرف ہم آہنگ ہی نہیں ہوتا بلکہ قوم مقصدِ حیات اور اس کے حصول کی طرف لے جانے کا ذریعہ ہوتا ہے۔ مسلمان کا مقصدِ حیات اللہ و رسول کی معرفت اور اس کی اطاعت ہے جس کے لیے مرد اور عورت کو ان کی فطری صلاحیتوں اور ان کے دائرہ عمل اور ان کے مقصدِ تخلیق کے مطابق تعلیم اور تربیت کا اہتمام کرنا ارباب حل و عقد کا فرض منصبی ہے۔ مرد نے اس میدان میں عورت پر جو ظلم ڈھایا ہے اس کا احساس بہت کم لوگوں کو ہے۔ مثلاً ہمارا نظامِ تعلیم اور نصابِ تعلیم وہی پرانا فرسودہ اور لارڈ میکالے کی کاربن کاپی، بلکہ ہز ماسٹرز وائس ہے۔ برسوں کی لے دے کے بعد اسلامیات کا مضمون اس انداز سے داخل نصاب کیا گیا کہ ؎

نئی تہذیب میں بھی مذہبی تعلیم شامل ہے

مگر یونہی کہ گویا آبِ زمزم مَے میں داخل ہے

نظامِ تعلیم کا یہ حال ہے۔ مرد اور عورت کے لیے ایک سلیبس ایک ہی نصاب ——

اس پر مستزاد یہ کہ مخلوط تعلیم پر اصرار اور اس کا اہتمام کہ جوان مرد اور جوان عورتیں اکٹھے بیٹھ کے کندھے سے کندھا ملا کے تعلیم حاصل کریں۔

خوب کہا اکبر نے ؎

یوسف کو نہ سمجھے کہ حسیں بھی ہے جواں بھی

شاید ترے لیڈر تھے زلیخا کے میاں بھی!

اس امر کا اتنا اہتمام ہوتا ہے کہ پٹرول

کا ٹینکر اچھی طرح بند ہو مگر پھر بھی اس پر ——
DANGER اور خطرہ کا لفظ بھی لکھا ہو۔ نہیں،
بلکہ HIGHLY INFLAMABLE بھی لکھا ہو۔
یہاں جوان مردوں اور عورتوں کو یکجا کر کے تعلیم
دینا ہر قسم کے خطرے سے باہر ہے۔ یوں لگتا ہے
جیسے ہمارے تعلیمی بزرجمہر اس حقیقت سے
آشنا نہیں جو ایک منچلے نے شعر کی زبان سے
پیش کر دی ہے۔

بھلا سنو تو شیخ جی عجیب شے ہیں آپ بھی
بھلا شباب و عاشقی الگ رہے بھی ہیں کبھی
حسین جلوہ ریز ہوں ادائیں فتنہ خیز ہوں
ہوائیں عطر بیز ہوں تو شوق کیوں نہ تیز ہوں

چلو جی قصہ مختصر
تمہارا نکتہ نظر
درست ہو تو ہو مگر

ابھی تو میں جوان ہوں

(۶) اسلام نے معاشی ذمہ داری تمام تر مرد
کے کندھے پر رکھی ہے مگر مرد عورت کو قید کا
طعنہ دے کر اور مساوات کا حق جتا کر گھر سے کھینچ
کے مینیکرڈ ہی کارخانے اور دفتر میں لے آیا ہے
اور اپنا بوجھ عورت کے کندھوں پر رکھ دیا ہے۔
اور عورت خوشی سے پھولے نہیں سماتی کہ میں آزاد
ہو گئی ہوں۔ اس کو کہتے ہیں کہ جادو وہ جو سر پر
چڑھ کر بولے۔ شکاری کا کمال یہی ہے کہ ع
خود نخچیر کے دل میں ہو پیدا ذوقِ نخچیری
عورت نے یہ تک نہیں پوچھا کہ میں نے جو تیرا بوجھ
ہلکا کیا ہے اس کے بدلے میں تو نے میری ذمہ داریوں
میں کہاں تک ہاتھ بٹایا ہے؟

(۷) اسلام نے مرد پر یہ فریضہ عائد کیا ہے
کہ اپنے آپ کو اور اپنے اہل و عیال کو جہنم سے
بچائے۔

مرد نے پہلے تو تاثر دیا کہ یہ جہنم اور جنت
محض خیالی باتیں ہیں ع

"ایہہ جہان مٹھا اگلا کس نے ڈٹھا"

پھر یہ بتایا کہ ع

جہنم سے ڈرنا بڑی بزدلی ہے

پھر یہ تاثر دیا کہ جہنم تو بڑی پُرکیف اور نہایت
بارونق جگہ ہے۔ بھلا جہاں تفریح کا ہر سامان ہو
سازندے ہوں گائک ہوں پینے پلانے والے
ہوں۔ جہاں ہر قسم کے "کارے" ہوں ہوں۔ وہاں
جانے میں بھلا کیوں وحشت ہونے لگے ——
جنت میں کیا رکھا ہے ؎

جس میں لاکھوں برس کی حوریں ہوں
ایسی جنت کو کیا کرے کوئی!

جہنم سے بچنے، بچانے کے لیے جو دس صفات پیدا کرنے کی قرآن نے تلقین کی ہے۔ بڑی محنت اور جان جوکھوں کا کام ہے۔ نقد اور فوری لذات کو چھوڑ کر ان "موہوم" خطرات کی پروا کون کرے

یاروں کی دوڑ دھوپ ہے دنیا کی چیخ پر
اور دین ہے کباب ضرورت کی سیخ پر

مختصر یہ کہ دین سے بے وفائی بلکہ بیزاری کی وجہ سے معاشرے میں جو بگاڑ پیدا ہوا ہے، اس کی ذمہ داری مرد اور عورت دونوں پر ہے۔ فرق اتنا ہے مرد خود بگڑا بھی ہے اور اہل و عیال کو بگاڑا بھی ہے۔ عورت صرف بگڑنے پر راضی مند ہوگئی۔ البتہ اولاد کے بگڑنے پر اس کی جبین پر کوئی شکن نہ ابھری۔

اللہ تعالیٰ دین کی سمجھ دونوں کو عطا فرمائے،

دانش اندوختہ دل زکف انداختہ
آہ زاں نقد گراں مایہ کہ در باختہ

# تَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ

چترال آنا ہوا۔ بحمد اللہ ان دور دراز علاقوں میں ذکر الٰہی اور تبلیغ دین کی سعادت رب کریم کی عطا ہے — تھوڑے وقت میں بہت سی جگہوں پر جانے اور بیان کرنے کی سعادت نصیب ہوئی۔ بطور خاص جس کا ذکر مطلوب ہے وہ بمریت کی وادی ہے جسے کافرستان بھی کہا جاتا ہے اس کا آخری گاؤں شیخان دہ ہے جو مسلمانوں کا گاؤں ہے۔ وہاں پتہ چلا کہ ان لوگوں میں سے کچھ مسلمان ہو تو رہے ہیں مگر اسلام قبول کرنے کے بعد ان کی کوئی دیکھ بھال یا مدد نہیں ہو پا رہی جو ایک حوصلہ شکن بات ہے۔ سو بندہ نے ان کی خدمت کا ارادہ کیا ہے کہ ہم حلقہ ذکر کی طرف سے ان کی اعانت اور تبلیغ کا اہتمام کریں۔ یہ زکوٰۃ کا بھی بہترین مصرف ہے اور جو احباب رضاکارانہ طور پر حصہ لینا چاہیں ان کے لیے دعوت عام ہے۔ رقم بھیجتے وقت اس مد کا حوالہ دیا جائے۔ نیز مسلم کمرشل بنک منارہ میں اکاؤنٹ نمبر PLS/1058 بندہ کے نام بھیج دی جائے کہ راستہ بند ہونے سے پہلے وہاں کمبل، گرم کپڑے، راشن اور ادویات پہنچائی جا سکیں اور بعد ازاں وہاں ایک مدرسہ اور مرکز تعمیر کیا جائے گا۔ انشاء اللہ۔

(الداعی الی الخیر: فقیر محمد اکرم عفی عنہ)

رجسٹرڈ آر نمبر ۱۹

نومبر ۱۹۸۷ء بمطابق ربیع الاول ۱۴۰۸ھ

## تصانیف حضرت العلام مولانا اللہ یار خان رحمۃ اللہ علیہ

### تصوف

| | |
|---|---|
| تعارف | ۳/۰ |
| دلائل السلوک خاص ایڈیشن | ۴۰/۰ |
| دلائل السلوک انگریزی ایڈیشن | ۶۰/۰ |
| اسرار الحرمین | ۱۵/۰ |
| علم عرفان | ۳۰/- |
| عقائد و کمالات علماء دیوبند | ۷/۰ |

### حیات بعد الموت

| | |
|---|---|
| سیف اویسیہ | ۱۰/۰ |
| حیات برزخیہ | ۳۰/۰ |
| حیات انبیاء | ۱۵/۰ |
| حیات النبی ﷺ مذہب اربعہ اہل سنت کی نظر میں | ۱۰/۰ |

### شیعیت کا تحقیقی مطالعہ

| | |
|---|---|
| الدین الخالص | ۲۵/۰ |
| ایمان بالقرآن | ۲۰/۰ |
| تحذیر المسلمین | ۲۵/۰ |
| آیات اربعہ | ۵/۰ |
| تحقیق حلال و حرام | ۵/۰ |
| حرمت ماتم | ۵/۰ |
| ایجاد مذہب شیعہ | ۵/۰ |
| شکست اعدائے حسین | ۴/۰ |
| داماد علی | ۲/۵۰ |
| بنات رسول ﷺ | ۳/۰ |
| الجمال والکمال | ۵/۰ |

## تصانیف حضرت مولانا محمد اکرم صاحب مدظلہٗ

| | |
|---|---|
| اسرار التنزیل حصہ اول | ۱۰/۰ |
| اسرار التنزیل ” دوم | ۱۰/۰ |
| اسرار التنزیل ” سوم | ۱۰/۰ |
| اسرار التنزیل ” چہارم | ۱۰/۰ |
| چار پارے مکمل و مجلد | ۵۰/۰ |
| دیار حبیب میں چند روز | ۵/۰ |
| ارشاد السالکین I | ۴/۵۰ |
| امیر معاویہ | ۱۰/۰ |
| راہی کرب و بلا | ۲/۰ |
| عصر حاضر کا امام | ۱/۰ |
| ارشاد السالکین دوم | ۲/۰ |

## تصانیف پروفیسر حافظ عبدالرزاق ایم اے اسلامیات و عربی

| | |
|---|---|
| ذکر اللہ عربی | ۳/۰ |
| لغزشیں | ۱۰/۰ |
| اطمینان قلب | ۱۵/۰ |
| تصوف و تعمیر سیرت | ۱۰/۰ |
| کس لیے کیے تھے؟ | ۸/۰ |
| خدایا ایں کرم بار دگر کن | ۱۰/۰ |
| بزم انجم | ۲۰/۰ |
| دین و دانش | ۱۰/۰ |
| کونوا عباد اللہ | ۳/۰ |
| انوار التنزیل | ۷/۵۰ |
| مغالطے | ۵/۰ |

ماہنامہ **المرشد** چکوال

بیاد

حضرت العلام مولانا

اللہ یار خان رحمۃ اللہ علیہ

زیر سرپرستی

حضرت مولانا محمد اکرم صاحب مدظلہ

اصلاح احوال و باطنی اصلاح

### بدل اشتراک

| | |
|---|---|
| سالانہ چندہ | ۷۵/۰۰ |
| ششماہی | ۴۰/۰۰ |
| فی پرچہ | ۷/۰۰ |
| تاحیات | ۵۰۰/۰۰ |

### بیرون ممالک

سعودی عرب، کویت، سری لنکا

| | |
|---|---|
| بھارت، سالانہ چندہ | ۱۶۰/۰۰ |
| متحدہ عرب امارات، مسقط | ۱۸۰/۰۰ |
| یورپ | ۲۰۰/۰۰ |
| لیبیا | ۲۰۰/۰۰ |
| امریکہ، کینیڈا | ۲۲۵/۰۰ |
| تاحیات | ۱۰۰۰/۰۰ |

### سول ایجنٹ

اویسیہ کتب خانہ

الوہاب مارکیٹ

اردو بازار، لاہور

ملنے کا پتہ: ادارہ نقشبندیہ اویسیہ دار العرفان منارہ ضلع چکوال